کردار کا غازی



مؤلف: خاکسار محمد مقبول

علامہ عنایت اللہ خان المشرقی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ یَھْدِیْ لِلَّتِیْ ھِیَ اَقْوَمُ وَیُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ
الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَھُمْ اَجْرًا کَبِیْرًا ۝ (۹:۱۷)

بے شک یہ قرآن اپنے عاملوں کو اُس طرف لیجاتا ہے جو سب سے زیادہ راست ہے اور قیام آفرین ہے۔ اور اُن صاحب ایمان لوگوں کو جو صالح العمل ہیں بشارت دیتا ہے کہ اُن کیلئے بڑا اجر ہے۔

"مسلمانانِ عالم گذشتہ دو صدیوں سے ایک مسلسل انحطاط کے گرداب میں مبتلا ہیں اس تنزل کی سرعت اور ہبوط کی تیز رفتاری جس قدر خوفناک ہے اسی قدر وہ عالمِ جمود اور فقدانِ حس دردانگیز ہے جو مسلمانوں کو کامل طمانیت اور سکونِ دل کے ساتھ قطعی ہلاکت اور یقینی موت کی طرف لے جارہا ہے۔ ملت کے ہر فرد میں وہ قواتے ظاہری و باطنی جو تمدن کی جان، اور عمران کی روحِ رواں ہیں مفقود ہو چکے ہیں۔ وہ جذباتِ آہنی جن کی بنیاد اقوام کو کپکپا دیتی ہے نرم پڑ چکے ہیں۔ قوم کا ایک ایک متنفس انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے بیکار ہو گیا ہے۔ حسیاتِ دینی کا اہم اور مفید ترحصہ زائل، اور امتیازاتِ دنیوی کی تحصیل میں مسلمانوں کا تعطل ضرب المثل ہو گیا ہے۔ قوتِ ارادی اور قدرتِ اقدامِ عمل، تنظیمِ جماعت اور تقسیمِ کار، قواتے عاملہ کا اتحاد و تمرکز، استقلال، استمدادِ باہمی کا دستور العمل، مطاوعت و انقیاد کا جذبۂ مشترک، اور سیادت و قیادت کا ملکۂ سلیم، جن کے التزام کے بغیر اقوام کیا افراد بھی چھوٹے سے چھوٹا کام پایۂ تکمیل کو نہیں پہونچا سکتے، محض چند مہمل کلمات رہ گئے ہیں۔ جو حقیقت سے

بے بہرہ اور معانی سے ناآشنا ہیں ۔ اس حالت میں تعجب نہیں اگر حصولِ مراد کی ہر کوشش میں مسلمانوں کو بالآخر ناکامی کا سامنا ہوتا ہو ہر تدبیر جو وہ اپنی بہتری کی امید میں عمل میں لائیں نامرادی سے بدل ہو جاتی ہو، ذہنی انتشار، اور اجتماعی تفریق و اشتنات کا ہولناک عفریت ان کی قوتِ عمل کو بے اثر کر دیتا ہو اور حرمان نصیبی ان کے کمزور اخلاق پر غلبہ پا کر ان کے جذبۂ ایمان کو کچل دیتی ہو۔"

یہ ہے اقتباس اس عالم آرا کتاب کے مقدمہ کا جو "تذکرہ" کے نام سے علامہ عنایت اللہ خان مرحوم نے ۱۹۲۴ء میں شائع کی تھی "تذکرہ" دس مجلدات پر مشتمل وہ علمی خزانہ ہے جس میں قرآن مجید کے پُراسرار اور حکیمانہ تصورات کا ناقابل تردید تذکرہ کر کے مسلمانانِ عالم کو ان کی اجتماعی موت و حیات کے متعلق پیغام الٰہی دیا گیا تھا ۔ علامہ مرحوم نے اپنی کتب اور تصنیفات کے ذریعے نظریہ اسلام کے ہر پہلو پر حاصل تبصرہ کر کے ناقابل رد دلائل سے ثابت کیا ہے کہ "اسلام" مذاہب کے سلسلہ ہائے ارتقاء میں وہ آخری کڑی ہے جو ہر لحاظ سے مکمل ضابطۂ حیات ہے ۔ علامہ مرحوم نے علم واقعی الامر کی بنیاد پر ثابت کیا ہے کہ اسلام عام اصطلاحی معنوں کے مطابق مذہب ہی نہیں بلکہ آفاقی تحریک ہے نہیں بلکہ سیاسی، سماجی، تعلیمی، عدالتی، اقتصادی نظام نظام ہے جو صرف ہر ایک انسان کو بلالحاظ رنگ و نسل ۔ تمدن اور کلچر، زبان اور علاقہ اور عصبیت کے نظام حیات ہے ۔ علامہ مرحوم نے اس موقف

کی بنیاد پر کہ تمام انسانوں کو ایک اور نیک ہو کر تخلیق کائنات کے عظیم کام میں دستِ قدرت کا معاون اور مددگار بن جانے کا فرضِ منصبی انجام دینا ہے اور یہ کہ نظریۂ اسلام خالق کائنات کا پیش کردہ نظریہ ہے اس لیے تمام عصبیتوں اور امتیازات سے بالاتر ہے۔ آپ کی تصنیفات کا ہر ورق ایسی دلیلوں سے پُر ہے جن سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ نظریۂ اسلام کی بنیاد ایسے قطعیت ABSOLUTISM اور آفاقی اصولوں پر ہے جو علوم و فنون اور سائنٹفک معیاروں کے عین مطابق ہیں اور اسی لئے ہر زمانے ہر دور اور ہر انسانی گروہ کے لئے حیات بخش اور قطعی اور دائمی امن عطا کرنے کا نظریہ ہے۔ علامہ مرحوم نے بدرجۂ اتم یہ موقف ثابت کیا ہے کہ انسان نے ارتقاء کے مراحل طے کرتے کرتے ایسا کامل ہو جانا ہے کہ خالق کائنات سے ملاقی ہوتے ہوئے ابدی حیات کا درجہ حاصل کرے۔ علامہ مرحوم کے نزدیک نظریۂ اسلام آبِ رواں ہے اور اس کے بہاؤ کو کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔ آبِ رواں ہمیشہ قرار والی سطح یعنی سمندر کی جانب رواں دواں رہتا ہے سمندر میں پہنچ کر بھی آبِ رواں بھاپ بن کر دائمی حیات کا دائرہ (سرکل) اختیار کر کے فطرت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے درپے ہو جاتا ہے۔

اسلام کا حیات بخش آبِ رواں کے بہاؤ کو کوئی بھی طاقت روک نہیں سکتی جس طرح پانی ہر رکاوٹ کو عبور کر کے یعنی ڈبو کر اپنا سفر جاری رکھتا ہے

اسلام بھی ہر رکاوٹ کو عبور کر کے دوڑ رہا ہے ۔ آب رواں کبھی کبھی رکاوٹ کو نظر انداز کر کے اپنی راہ بدل کر اِدھر اُدھر سے نکل جاتا ہے یا رکاوٹ میں شگاف ڈال کر اپنی راہ چیر لیتا ہے ۔

علامہ مرحوم کا موقف ہے کہ نظریہ اسلام بھی ہر رکاوٹ کو عبور کرتے ہوئے یا اِدھر اُدھر سے یا رکاوٹ کے سینے کو چیر کر آگے بڑھتے ہوئے نام نہاد ملت اسلامیہ سے دور ہی دور کہیں جاگزیں ہو کر اپنے اعجاز کو ثابت کر رہا ہے ۔ ملت اسلامیہ کے بکھرے ہوئے شیرازہ کا غائر نظر سے جائزہ لیتے ہوئے علامہ مرحوم مقدمہ "تذکرہ" میں لکھتے ہیں ۔

"میں ایک مدت سے اس دردناک نظارے کو باکراہ تمام دیکھ رہا ہوں ۔ گذشتہ سو سال کے تاریخی شواہد اور سیاسی نامۂ اعمال کی روح فرسا سرگذشت نے ثابت کر دیا ہے کہ امت حاضرہ اب اخلاقی تنزل کے ان انتہائی مدارج تک پہنچ چکی ہے ۔ جہاں ان کا کوئی فعل ، کوئی طریق عمل روئے زمین کے کسی حصے پر صلاحیت سے تکمیل کو نہیں پہنچتا اگر نظام عمل کے عام فقدان کے باوجود ، بالفرض کسی فرد یا جماعت کو ایک طریق کار کی طرف جانے کی توفیق عطا ہوتی ہے تو پیشتر اس کے کہ کوئی مفید نتیجہ نکلے ، مخالف اثرات اور تشتت کے ہلاکت آفرین جراثیم نے اس جماعت کی انتظامی قوت کو اندر ہی اندر سلب کر دیا ہے

قوم کی جس تحریک کی طرف دیکھو یہی حال ہے۔ گذشتہ قرن کے اندر ترکوں کی سب سے اہم ملکی ، جو ایک نقطہ سے منظم ، اور ایک مقتدر وزیر اعظم (مدحت پاشا) کے سیاسی تخیل کا نتیجہ تھی دستوری حکومت کے اصول کی سی سالہ تبلیغ ، اور بالآخر اس کا انعقاد ہے ۔ مگر یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ انجمن اتحاد و ترقی ، چند لمحوں کے لئے بھی یورپ کی اس عجیب و غریب صنعت کی "حسنات جاریہ" اور برکات لامتناہیہ ، سے بہرہ اندوز نہ ہو سکی ۔ اور ترکوں کی سلطنت کے لئے اس کا سعی نفاذ بالآخر اعلان شکست ثابت ہوا

علامہ مرحوم ذیل میں درج آیات قرآنی کی روشنی میں لکھتے ہیں ۔

فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا ط لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ ط ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝

(٣٠ : ٣٠)

دین اسلام خدا کی بنائی ہوئی وہ فطرت ہے جس پر اس نے تمام انسانوں کو پیدا کیا ، اس سے کسی فرد کو مفر نہیں ، اور خدا ساز فطرت میں کسی ردوبدل کا امکان نہیں ۔ دنیا کو بنانے کا یہی صحیح اسلوب عمل اور صراط مستقیم ہے لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کا علم نہیں رکھتے ۔

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا ۝

(٣٣ : ١٦٢)

کہ اس قطعی استدلال کی بنا پر میرا ایمان ہے کہ قانون فطرت کی

کوئی مُضر حقیقت اسلام کو فنا نہیں کر سکتی - مسلمانانِ عالم کا روئے زمین
پر بالآخر بطور ایک غالب عنصر کے رہنا لابدی ہے، اور جب تک زمین و آسمان
اور کل کائنات موجود ہے یہ صورت حال قائم ہو کر رہے گی - اگر موجِ حوادث
کے تلاطم اور واقعات کی لشکر انگیزی نے بظاہر اس کلیے سے انحراف پیدا
کر دیا ہے تو وہ استثنائی اور عارضی ہے، اس کی حقیقت سوائے اس کے
نہیں کہ مخالف اثرات کے دباؤ نے ایک غیر مانوس صورت نمایاں کر دی ہے
جو ہٹ کر رہے گی! دینِ اسلام کے عالم آرا تعمیری فلسفے کا یہی وہ بنیادی
پتھر ہے جس نے اس کے قیام و استحکام کا ذمہ ابتدائے آفرینش سے
لیا ہے - اور جو آج ۱۳ سو سال کے مصائب و نوائب کے باوجود اس
کی حیات کو قطعی، اور اس کے قانون کو ازلی اور ابدی قرار دیتا ہے - صانع
قدرت نے اس اصلیت کا انکشاف فطرت کے ہر اصول اور ہر طرز عمل میں
کیا ہے - جب تک صداقت صداقت ہے اس کا غلبہ جس شکل میں وہ ہو،
یا جس پیرایہ میں ظاہر ہو ناگزیر اور اٹل ہے - اگر دنیا میں کذب و ریا،
مکر و تلبیس، ظلم و خدع کے لاانتہا فساد انگیز اثرات کے باوجود فطرت
کے اصول قائم، اور قانون خدا کی حکومت مسلط ہے تو اس کا اصلی راز یہی ہے
کہ اگر ہوا و ہوس کی چند روزہ گرم بازاری اور خواہشات سفلی کی
عارضی روا داری کے باوجود سطح زمین اب تک بحیثیت مجموعی جادۂ اعتدال سے منحرف نہیں

ہوئی تو اس کا حقیقی باعث یہی ہے۔ باطل اور فاسد ہستی کے تصادم کا ایک مستقل حقیقت پر اثر بعینہٖ مثل اس پتھر کے نقش کے ہے جو ایک اتھاہ سمندر کی سطح پر پھینکنے سے خفیف تموّج تو چند لمحوں کے لئے پیدا کر دیتا ہے۔ مگر اپنی ہستی کو ابدالآباد کے لئے کالعدم کر دیتا ہے"

علامہ مرحوم نے غور و فکر کے عمومی سطحوں سے بلند ہو کر مذاہب کی اصل اساس اور افادیت پر غور و فکر کی عمیق گہرائیوں سے جو پایا قلمبند کیا۔ زندگی ہر لحاظ سے غور و فکر کو اکسانے والی پیچیدگیوں اور الجھنوں کا اور ہزار در ہزار سوالوں کی گتھی کا نام ہے یہ کائنات کیا ہے۔ اس میں کھرب در کھرب ستاروں کے سمندر کیا ہیں۔ شب و روز کا تسلسل کس لئے ہے اور تغیرات کی اس دنیا میں نسل انسانی کس طرح زندگی گزار سکتی ہے؟ اس پر علامہ مرحوم نے قرآن پاک کی روشنی میں غور کیا اور اپنی کتاب "تذکرہ" کے دیباچہ میں یوں لکھا "دنیا کی سب مسلم اور مروج اشیاء میں سے سب سے بڑا راز مذہب ہے یہ پوچھا گیا ہے؟ یہ جھگڑا کیوں ہے؟ یہ رسمی عقائد اور شرعی مراسم یہ برہمن کے قشقے اور بت پرست کی مورتیاں مسلم کی قربانیاں اور ہندو کے چڑھاوے کیوں ہیں؟ گبر کی شعلہ نوازی کیوں ہے؟ عیسائی کا ابن خدا کیا ہے؟ تسبیحوں کے ہار، حج کے مناسک، جاترے، نماز، تپسیا، جپ، دان، خیرات صدقات، نذر، نیاز، لمبی داڑھیاں، متشرع چہرے، تعویذ، اصطباغ ہوں، اشنان وغیرہ وغیرہ، سب مذہبی مراسم منفق و رواج کے وہ اسرار

جاریہ ہیں کہ ان کی علم تک پہونچنا عوام کے نزدیک کچھ ضروری نہیں - بہ ایں ہمہ ہر شخص ان کو نہایت عقیدت اور التزام سے کرتا ہے، ان کے سچ یا جھوٹ روا یا ناروا ہونے کے متعلق ایک حرف زباں پر نہیں لاتا - جاہل اور عالم، کم فہم اور عاقل سب اس مشغل نامعلوم میں حصہ لے رہے ہیں - اور ان کو حسب توفیق نہایت اہم زندگی کا منتہا سمجھتے ہیں۔ انسان کی تمام داستان فرض و یقین میں نہیں بلکہ اس کی اکثر روئداد سعی و عمل میں مذہب ہی ہمہ گیر اور خاموش حایل ہے کہ اس کا حیرت انگیز اثر کم و بیش ہر فرد پر نمایاں ہے - اور مذہب ہی وہ بحث سے منفک حیطۂ دلیل سے خارج اور اِدراک و وجد کی وراثت متواتر ہے کہ ہر شخص اس پر بے چون و چرا قائل رہنا اپنا فرضِ منصبی سمجھتا ہے"

مذاہب کی صورت حال کا صحیح نقشہ کھینچنے کے بعد علامہ مرحوم حسابی اور منطقی اصولوں کو زیر نظر رکھ کر مذاہب پر رسمی اور بے شعوری عمل کرنے والوں سے سوال کرتے ہیں کہ اگر تمام مذہب ایک ہی نقطے سے ابھرے ہیں اور ایک ہی اللہ تمام مذاہب کا سرچشمہ ہے تو مذہب کے پیروؤں میں یہ نظیبین کا اختلاف کیوں ہے؟ اگر ہر ایک مذہب اپنی اپنی جگہ سچے ہیں تو ان کے ماننے والوں میں کیوں اتحاد پیدا نہیں ہوتا تو پھر سچائی کا دعویٰ کیسا - علامہ مرحوم مذہب کے ماننے والوں سے پوچھتے ہیں کہ

اگر دیگر علوم و فنون اور سائنسی انکشافات پر تمام دنیا کے لوگ متفق ہیں اور ان انکشافات پر عمل پیرا ہو کر فیضان حاصل کر رہے ہیں تو مذہب کی متفقہ سچائیوں اور انکشافات پر کیوں نسلِ انسانی متفق نہیں ہیں۔ کیوں مذہبی عقائد پر انسان نے ماضی میں جنگ و جدل کی ہے اور آج بھی ان ہی عقائد کے بہانے کیوں انسانوں میں گروہ بندی اور فرقہ بندی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ علامہ مرحوم لکھتے ہیں۔

"تعجب ہے کہ مذہب کی طرف اس عام میلان کے باوجود ابتدائے آفرینش سے آج تک یہ قطعی فیصلہ نہ ہو سکا کہ کون سا مذہب سچا ہے، کون سا شارع کائنات کے منشا کے عین مطابق ہے، مذہب کی سچائی کا معیار کیا ہے۔ نہیں بلکہ خود مذہب کیا شے ہے۔ اور اس کا مقصود بالذات بعینہٖ کیا ہے؟ خود خدا کی ہستی اور اس کے صحیح منشا کے متعلق آج تک کوئی حتمی اور متفق علیہ دلیل نہیں مل سکی۔ منتہائے حیات کا سرِ عظیم بالکل نا قابلِ فہم گردہ پڑا ہے موت کا حجاب اکبر اربوں درا ربوں انسانوں کی موت کے باوجود قطعاً نا قابلِ درک ہے! علمِ حساب کی صداقتوں پر آج سب انسان متفق ہیں، اس کی کسی ایک شق کے بارے میں شائبہ اختلاف پیدا نہیں ہوتا۔ علم الطبیعات کے حقائق پر سارا جہاں متحد ہے ان کو آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ ان سے طلب عمل کر رہا ہے۔ ان سے

نتائج اخذ کرکے قوت کی راہیں پا رہا ہے۔ نہیں زمین کی محوری حرکت یا سورج کے اضافی سکون پر بھی سب دنیا بالآخر متفق ہوگئی ہے۔ سب کے سب عین شہادت کو فریبِ نظر سمجھ کر دم بخود ہو گئے ہیں۔ سکونِ زمین کے متعلق ارسطو کے غلط مذہب کا آج ایک بھی پیرو نظر نہیں آتا۔ اگلے وقتوں کے سب غلط علمی نظریئے نسیاً منسیاً ہو چکے ہیں۔ لیکن ہندو اور بدھ، گبر و برہمن، عیسائی اور مسلمان کے درمیان اختلاف بدستور قائم ہے، مذہب کو ساکنانِ زمین نے کیوں ایسی شیئے فرض کر لیا ہے کہ اس کی سچائی کے مابین بعد المشرقین قائم ہے؟ صداقت کی جامع الناس کیفیت کیوں ان سب کو کسی مشترک حقیقت پر جمع نہیں کرتی؟ یہ کیوں ہے کہ سب کی نظروں میں اپنا مذہب سچ ہے اور باقی سب غلط ہیں۔ حالانکہ بظاہر سب کے درمیان تضادِ قطبین ہے۔ اگر سب اپنی اپنی جگہ سچے ہیں تو اختلاف کیوں ہے اور جب اختلاف قائم ہے تو سچائی کا ادعا کیسا؟

علامہ مرحوم نے مذہب کے بارے میں اور مذہب کے ماننے والوں میں رسہ کشی اور قتل و غارت گری نہیں بلکہ ہمیشہ ایک دوسرے کیخلاف صف آرا ہونے اور ایک دوسرے کو کاٹ کھانے کے اصلی وجوہات کی نسبت منطقی طور اُبھرنے والا سوال باندھنے کے بعد اپنے یقین کا اظہار کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ دنیا کے

تمام پیغمبر ایک ہی پیغام لے کر آئے۔ وہ پیغام یہی تھا کہ انسان اس دنیا میں کس طرح مل جل کر زندہ رہے زندہ رہتے ہوئے اپنی تخلیق کے منازل طے کرتا رہے خود کو پہچانے اور خالق کائنات کو اور کائنات کے وجہ تخلیق اور اس کے آخری انجام کو جان جائے۔ آپ نے تمام انبیاؤں کو ایک ہی قبیل قرار دیتے ہوئے محرم راز قرار دے کر ان کو ایک ہی پیغام کے داعی ثابت کیا ہے۔ چنانچہ علامہ مرحوم لکھتے ہیں۔

"میرا یقین ہے کہ دنیا کے مختلف پیغامبر جہاں سے آئے تھے ایک ہی پیغام لائے تھے انہوں نے اس کارخانۂ جہاں کو ایک ہی چشم تجربہ سے دیکھا تھا۔ وہ انسان کی حیران کن مخلوق کو ایک ہی مقام بلند سے دیکھ کر تڑپ اٹھے تھے۔ حیرت کی بجلیاں اور علم و خبر کی سنسنیاں انکے بدنوں میں ایک ہی راہ سے داخل ہوئی تھیں۔ وہ اس سوال میں محو تھے کہ سب کچھ کیا ہے؟ اور کیوں ہے؟ اس محویت اور عشق کے پر شکن اضطراب میں حجاب آرائے حقیقی نے چلمن کی آڑ میں جھلک دکھلائی اور کچھ کہہ کر پھر غائب ہو گیا لیکن جو کہا وہ سب ایک تھا۔ نوائے ساز ایک تھی۔ بوسہ پیغام ایک تھا۔ چشمک ناز ایک تھی۔ کلمۂ راز ایک تھا۔ جب تک یہ محرم اسرار لوگ اس دنیا میں رہے اس راز کو برملا کہتے رہے۔ سولی پر چڑھ چڑھ کر اور رسوا ہو ہو کر خلق خدا کو آمادہ عمل کرتے رہے۔ سب کو ایک

نصب العین اور ایک قانون پر متحد کرتے رہے۔ جب ناحقیقت شناس اور جلوہ آشنا لوگوں نے اس کام کو سنبھالا تو لوگوں کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ پیغامِ خدا غلط بنا کر اپنے پیچھے صفیں کھڑی کر دیں آج صفحۂ زمین پر خدائے قاہر کا منتقمانہ عذاب اکثر اسی ضد اور بعاوت سے ہے۔ یہ تنگ ظرفی کی حیرا اور نابلند بینی کی ضد ہے جس نے دنیا کو اکثر قصاب خانہ بنا رکھا ہے، اور چند دن یہی حال رہا تو نسل انسانی کا خدا حافظ،،

مذہب کی اصل اساس ان ناقابلِ تردید بلکہ حسابی سچائیوں کی طرح فطری اصولوں پر رکھتے ہوئے مذہب کو دائمی اور قائمی حقیقت قرار دیکر علامہ نے دعوٰی کیا ہے کہ تمام نسل انسانی کو ان سچائیوں کو قبول کئے بغیر چارہ نہیں۔ پانی سیال ہے۔ آگ جلاتی ہے اور جرِ ثقیل کی فطری قوتوں اور خاصیتوں کے بارے میں جس طرح تمام لوگ بلا چون و چرا مان رہے ہیں اور ان حقائق سے فیضان حاصل کر رہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔ بالکل اسی طرح ایک نہ ایک دن مذہب کو نہ اور حسابی معیاروں پر سمجھنے پر ساری دنیا مجبور بلکہ مجہول ہو جائیگی۔ چنانچہ علامہ مرحوم لکھتے ہیں۔

"سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ پیغام منفصہ کیا تھا، وہ صدق بسیط اور نفس الامر کیا تھا؟ اس کی نوعیت کیا تھی؟ اس کا علم کیا تھا؟ وہ کیا تھا جو بن بن کر بگڑا اور جب تک آتے رہے پھر بنتا رہا؟ اگر انسان کی تحقیق مشترک اس اہم اور دقیق سوال کو لاگ لپیٹ کے بدون کسی طلسم منظم نظر سے حل کر سکتی ہے تو جواب یہ ہے کہ

اس مالک کون و مکاں اور جہاں پناہِ بے نشاں نے بے نیازی کی نشان
ہیں ان دل باختہ لوگوں سے اگر کچھ کہا تو یقیناً انسان کی اپنی بہتری کے لئے
کہا، اسی کی بہبودی کو پیشِ نظر رکھ کر کہا ایسی ہوگا اور قطعاً ہے کہ اولادِ آدم اس
کارگاہِ جہاں کے اندر کیوں کر رہے؟ اور حیوانوں کے بالمقابل فطرت کی یہ اُمّی
اور جاہل مخلوق کیا کرے؟ اور کیسے چلے؟ وہ کیا ہے جس سے نسلِ انسانی زندگی
اس لگا پوئے دم بدم میں امن حاصل ہو، حفظ و ارتقا حاصل ہو، اتقا اور رضا
حاصل ہو۔ یہی اس بارِ عظیم کا لبِ لباب تھا جو مکلمۂ قضا و قدر کے آستانہ
علیہ سے نبیوں کو ملی۔ اور یہی اسچی نبوت ہے۔ یہی انتہائے علم و خبر
ہے، کمال انکشاف و اکتشاف ہے۔ اس علم کے بالمقابل سب ماسوی
کا علم ہیچ ہے۔ سب کم تر معاملوں کی خبر ہیچ ہے۔ علم حقائق
الاشیاء صفر ہے۔ علم موالید جہالت ہیچ ہے۔ وہاں بڑی سے بڑی
نفع مند خبر جو انسان کو مل سکتی ہے یہ ہے کہ اس زمین و آسمان کی
ملکوت کیا ہے؟ حکم قضا و قدر کیوں کر ہے؟ الٰہی فیصلے کن اصول اور
قانون کے مطابق ہیں۔ امتیں کیوں فلک الافلاک پر چڑھ جاتی ہیں؟
قومیں کیوں تحت الثریٰ میں گرتی ہیں؟ سزا کس معیار کو دیکھ کر آتی ہے، جزا کس دستور کو
نباہ کر ملتی ہے؟ یہی وہ مہتم بالشان سوال ہیں جو نسلِ انسانی کے لئے موت
و حیات کے سوال ہیں۔ ان کے بالمقابل کسی فرد کی

بہبودی کا سوال ایک ہیچ ہے ۔ شخصی افراط کی تلاش ایک ہیچ ہے ۔ انفرادی تفریط کا خیال ہیچ ہے ، جو بات حتمی اور قطعی ہے یہ ہے کہ زمین کا یہ کارگاہِ جلیل کمالِ عدل و انصاف پر چل رہا ہے ۔ صحت اور توازن سے چل رہا ہے ، دھڑا ہے اور تمکنت سے ، قوت اور زور سے چل رہا ہے ۔ اس میں جو بات ہو رہی ہے نقد و نظر سے ہو رہی ہے ، انتخاب و انتظام سے ہو رہی ہے اس کا محرک جل و علا وہ مالک سمیع و بصیر ہے جو ہر ایک شئے کو بغور تمام دیکھ رہا ہے ۔ پہنائے زمین کو دیکھ رہا ہے ، نسلِ انسانی کو دیکھ رہا ہے ۔ افراد کے سعی و عمل کو دیکھ رہا ہے ، بد و نیک کو ، شاہ و گدا کو ، بالا و پست کو دیکھ رہا ہے ۔ اس منظم اور مضبوط اس لرزہ نگن اور صحیح حکومت کے اندر استبداد کی بو قطعاً نہیں افراط و تفریط قطعاً نہیں ، تواب کی لاابالیت اصلاً نہیں ! میرا یقین ہے کہ ملکوتِ جہاں کی اسی اہم حقیقت کا علم سب انبیائے کرام کو ملا ۔ اور اسی آئینِ جزا و سزا کی خبر انہوں نے ڈنکے کی چوٹ دی ۔ انہوں نے انسان کو اس زمین پر خوش اسلوبی سے بسنے کا ڈھنگ سکھلایا ۔ انہوں نے اجتماعی بقا کی راہ دکھلائی ۔ انہوں نے اقوام کے مدو جزر کے اصول بیان کئے حکومتِ خداوندِ عظیم سے قطعاً بری ثابت کر کے دنیاوی سزا کی تعیین کی ، اخروی جزا و سزا کی تبیین کی ، افراد کے طرزِ عمل کو ظاہر کیا ، امتوں کو راہِ راست پر چلا کر

صدیوں تک تمکن اور دوام دے گئے۔ نافرمانوں کو ان آنکھوں سے سزا
ملتی ہوئی دکھا گئے۔ یہی ان کا لایا ہوا دین تھا، اور اسی دین کے طرزِ عمل پر چلنے
کا خدا متمنی تھا۔ اگر انسان کے اس دنیا میں چلنے کا فی الحقیقت کوئی مقرر
دستور نہیں، اگر اس کا اس جہاں میں کوئی طریق عمل سب الاپ شناپ
اور اٹا سٹا ہی ہے، اگر اس کی نسل کے متعلق شادی و غم، عسر و یسر، سزا
و جزا، فنا و دوام کے سب کسی صحت و التزام سے نہیں ہوتے، اگر زمین
و آسمان کے اس کارگاہِ عظیم میں انسان ہی وہ بدبخت وجود ہے جس کا
اس دنیا میں طرزِ عمل کسی اصول کے ماتحت نہیں، اسکا کوئی دین مقرر نہیں
در آں حالیکہ ادنیٰ مخلوق حیوانی اور نباتاتی سب کی سب اپنی اپنی راہ پر اور
مذہب پر لگی ہے مقررہ فرض ادا کر رہی ہے، کہیں جب سورج کا زمین سے ۱۲ار
لاکھ گنا بڑا کرہ بھی اس شان و آب کے باوجود اس صحت اور التزام سے اپنے
وقت پر نکلتا ہے، ساکنانِ زمیں کو نور دے رہا ہے۔ کسی بے مثال حاکم کے
کے حکم پر مجبور ہے، کسی ہیبت انگیز اور لرزہ خیز قانون کو نباہ رہا ہے۔ اگر
یہ اوروں کے حق میں سب کچھ ہے اور انسان کے حق میں کچھ بھی نہیں۔ تو اس
دنیا کے اندر سزا و جزا سب ظلم ہے، شادی، و غم ظلم ہے، فنا و بقا ظلم ہے،
شانِ کبریا سے بعید ہے۔ حکومت کی ساکھ کے خلاف ہے۔ سنت اللہ، اور
عادتِ ربّ العلمین کی نقیض ہے! اگر اس کارخانے کی بناء انسان کے حق میں

جاریہ ہیں کہ ان کی لِم تک پہونچنا عوام کے نزدیک کچھ ضروری نہیں۔ بہ ایں ہمہ ہر شخص ان کو نہایت عقیدت اور التزام سے کرتا ہے۔ ان کے سچ یا جھوٹ روا یا ناروا ہونے کے متعلق ایک حرف زباں پر نہیں لاتا۔ جاہل اور عالِم، کم فہم اور عاقل سب اس مشق نامعلوم میں حصہ لے رہے ہیں۔ اور ان کو حسبِ توفیق نباہتے رہنا زندگی کا منتہائے اہم سمجھتے ہیں۔ انسان کی تمام داستان فرض و یقین ہی نہیں بلکہ اس کی اکثر روئداد سعی و عمل میں مذہب ہی ہمہ گیر اور خاموش حائل ہے کہ اس کا حیرت انگیز اثر کم و بیش ہر فرد پر نمایاں ہے۔ اور مذہب ہی وہ بحث ہے منفک حیطۂ دلیل سے خارج اور ایک وجد کی وراثت متواتر ہے کہ ہر شخص اس پر بے چون و چرا قائم رہنا اپنا فرضِ منصبی سمجھتا ہے"

مذاہب کی صورتِ حال کا صحیح نقشہ کھینچنے کے بعد علامہ مرحوم حسابی اور منطقی اصولوں کو زیرِ نظر رکھ کر مذاہب پر رسمی اور بے شعوری عمل کرنے والوں سے سوال کرتے ہیں کہ اگر تمام مذہب ایک ہی نقطے سے ابھرے ہیں اور ایک ہی اللہ تمام مذاہب کا سرچشمہ ہے تو مذہب کے پیروؤں میں یہ تفریق کا اختلاف کیوں ہے؟ اگر ہر ایک مذہب اپنی اپنی جگہ سچے ہیں تو ان کے ماننے والوں میں کیوں اتحاد پیدا نہیں ہوتا تو پھر سچائی کا دعویٰ کیسا۔ علامہ مرحوم مذہب کے ماننے والوں سے پوچھتے ہیں کہ

اگر دیگر علوم و فنون اور سائنسی انکشافات پر تمام دنیا کے لوگ متفق ہیں اور ان انکشافات پر عمل پیرا ہوکر فیضان حاصل کر رہے ہیں تو مذہب کی متفقہ سچائیوں اور انکشافات پر کیوں نسلِ انسانی متفق نہیں ہیں۔ کیوں مذہبی عقائد پر انسان نے ماضی میں جنگ و جدل کی ہے اور آج بھی ان ہی عقائد کے سلسلے میں کیوں انسانوں میں گروہ بندی اور فرقہ بندی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ علامہ مرحوم لکھتے ہیں۔

"تعجب ہے کہ مذہب کی طرف اس عام میلان کے باوجود ابتدائے آفرینش سے آج تک یہ قطعی فیصلہ نہ ہوسکا کہ کون سا مذہب سچا ہے، کون سا شارع کائنات کے منشا کے عین مطابق ہے، مذہب کی سچائی کا معیار کیا ہے۔ نہیں بلکہ خود مذہب کیا شے ہے۔ اور اس کا مقصود بالذات بعینہ کیا ہے؟ خود خدا کی ہستی اور اس کے صحیح منشا کے متعلق آج تک کوئی حتمی اور متفق علیہ دلیل نہیں مل سکی۔ منتہائے حیات کا سرِ عظیم بالکل نا تلاش کردہ پڑا ہے موت کا حجاب اکبر آج، در آں انسانوں کی موت کے باوجود قطعاً ناقابل درک ہے! علم حساب کی صداقتوں پر آج سب انسان متفق ہیں، اس کی کسی ایک شق کے بارے میں شائبۂ اختلاف پیدا نہیں ہوتا۔ علم الطبیعات کے حقائق پر سارا جہاں متحد ہے ان کو آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ ان سے طلب عمل کر رہا ہے۔ ان سے

نتائج اخذ کر کے قوت کی راہیں پا رہا ہے۔ نہیں زمین کی محوری حرکت یا سورج کے اضافی سکون پر بھی سب دنیا بالآخر متفق ہو گئی ہے۔ سب کے سب عینِ شہادت کو فریبِ نظر سمجھ کر دم بخود ہو گئے ہیں۔ سکونِ زمین کے متعلق ارسطو کے غلط مذہب کا آج ایک بھی پیرو نظر نہیں آتا۔ اگلے وقتوں کے سب غلط علمی نظریے نسیاً منسیاً ہو چکے ہیں۔ لیکن ہندو اور بدھ، گبر و برہمن، عیسائی اور مسلمان کے درمیان اختلاف بدستور قائم ہے۔ ہر مذہب کو ساکنانِ زمین نے کیوں ایسی شے فرض کر لیا ہے کہ اس کی سچائی کے مابین بعد المشرقین قائم ہے؟ صداقت کی جامع الناس کیفیت کیوں ان سب کو کسی مشترک حقیقت پر جمع نہیں کرتی؟ یہ کیوں ہے کہ سب کی نظروں میں اپنا مذہب صحیح ہے اور باقی سب غلط ہیں۔ حالانکہ بظاہر سب کے درمیان تضادِ قطبین ہے۔ اگر سب اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں تو اختلاف کیوں ہے اور جب اختلاف قائم ہے تو سچائی کا ادعا کیسا؟

علامہ مرحوم نے مذہب کے بارے میں اور مذہب کے ماننے والوں میں رسہ کشی اور قتل و غارت گری نہیں بلکہ ہمیشہ ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہونے اور ایک دوسرے کو کاٹ کھانے کے اصلی وجوہات کی نسبت منطقی طور ابھرنے والا سوال باندھنے کے بعد اپنے یقین کا اظہار کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ دنیا کے

تمام پیغامبر ایک ہی پیغام لے کر آئے۔ وہ پیغام یہی تھا کہ انسان اس دنیا
میں کسطرح مل جل کر زندہ رہے زندہ رہتے ہوئے اپنی تخلیق کے منازل طے
کرتا رہے خود کو پہچانے اور خالق کائنات کو اور کائنات کے وجہ تخلیق اور اس
کے آخری انجام کو جان جائے۔ آپ نے تمام انبیاؤں کو ایک ہی قبیل قرار
دیتے ہوئے محرم راز قرار دے کر ان کو ایک ہی پیغام کے داعی ثابت
کیا ہے۔ چنانچہ علامہ مرحوم لکھتے ہیں۔
"میرا یقین ہے کہ دنیا کے مختلف پیغامبر جہاں سے آئے تھے ایک ہی
پیغام لائے تھے انہوں نے اس کارخانۂ جہاں کو ایک ہی چشم تحیر سے
دیکھا تھا۔ وہ انسان کی حیران کن مخلوق کو ایک ہی مقام بلند سے دیکھ کر
تڑپ اٹھے تھے۔ حیرت کی تجلیاں اور علم و خبر کی ستمنیاں انکے بدنوں
میں ایک ہی راہ سے داخل ہوئی تھیں۔ وہ اس سوال میں محو تھے کہ سب کچھ
کیا ہے؟ اور کیوں ہے؟ اس محویت اور عشق کے پر شکن اضطراب میں جب جب
آرائے حقیقی نے چلمن کی آڑ میں جھلک دکھلائی اور کچھ کہہ کر پھر غائب ہو گیا
لیکن جو کہا وہ سب ایک تھا۔ نوائے ساز ایک تھی۔ اب یہ پیغام ایک تھا۔
چشمک ناز ایک تھی کلمۂ راز ایک تھا۔ جب تک یہ محرمِ اسرار لوگ اس دنیا میں
رہے اس راز کو بر ملا کہتے رہے۔ سولی پر چڑھ چڑھ کر اور رسوا ہو
ہو کر خلق خدا کو آمادہ عمل کرتے رہے۔ عیب کو ایک

نصب العین اور ایک قانون پر متشدّد کرتے رہے۔ جب نا حقیقت شناس اور جلوہ ناآشنا لوگوں نے اس کام کو سنبھالا تو لوگوں کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ پیغامِ خدا غلط سنا کر اپنے پیچھے صفیں کھڑی کر دیں۔ آج صفحۂ زمین پر خدائے قاہر کا منتقمانہ عذاب اکثر اسی ضد اور بعادت سے ہے۔ یہ تنگ ظرفی کی چیز اور نابلند بینی کی ضد ہے جس نے دنیا کو اکثر قصاب خانہ بنا رکھا ہے، اور چند دن یہی حال رہا تو نسل انسانی کا خدا حافظ،،

مذہب کی اصل اساس ان ناقابلِ تردید بلکہ حسابی سچائیوں کی طرح فطری اصولوں پر رکھتے ہوئے مذہب کو دائمی اور قائمی حقیقت قرار دیکر علامہ نے دعوٰی کیا ہے کہ تمام نسل انسانی کو ان سچائیوں کو قبول کئے بغیر چارہ نہیں۔ پانی سیال ہے۔ آگ جلاتی ہے اور حجر ثقیل کی فطری قوتوں اور خاصیتوں کے بارے میں جسطرح تمام لوگ بلا چون و چرا مان رہے ہیں اور ان حقائق سے فیضان حاصل کر رہے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بالکل اسی طرح ایک نہ ایک دن مذہب کو فـ اور حسابی معیاروں پر سمجھنے پر ساری دنیا مجبور بلکہ مجہول ہو جائیگی۔ چنانچہ علامہ مرحوم لکھتے ہیں۔

"سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ پیغام منفعہ کیا تھا، وہ صدقِ لبیط اور نفس الامر کیا تھا؟ اس کی نوعیت کیا تھی؟ اس کا علم کیا تھا؟ وہ کیا تھا جو بن بن کر بگڑا اور جب تک آتے رہے بگڑ کر بنتا رہا؟ اگر انسان کی حس مشترک اس اہم اور دقیق سوال کو لاگ لپیٹ کے بدوں کسی بلند مقام نظر سے حل کر سکتی ہے تو جواب یہ ہے کہ

اُس مالکِ کون ومکاں اور جہاں پناہِ بے نشاں نے بے نیازی کی نشان
میں ان دل باختہ لوگوں سے اگر کچھ کہا تو یقیناً انسان کی اپنی بہتری کے لئے
کہا، اسی کی بہبودی کو پیشِ نظر رکھ کر کہا یہی ہوگا اور قطعاً ہے کہ اولادِ آدم اس
کارگاہِ جہاں کے اندر کیوں کر رہے؟ اور حیوانوں کے بالمقابل فطرت کی بہ اُمی
اور جاہل مخلوق کیا کرے؟ اور کیسے چلے؟ وہ کیا ہے جس سے نسلِ انسانی کی زندگی
اِس لگا پڑے زرادم میں امن حاصل ہو، حفظ وارتقا حاصل ہو، بقا اور رضا
حاصل ہو، یہی اس بارِ عظیم کا لب لباب تھا جو محکمۂ قضا و قدر کے آستانہ
علیہ سے نبیوں کو ملی، اور یہی سچی نبوت ہے یہی انتہائے علم و خبر
ہے، کمال کشف و اکتشاف ہے۔ اس علم کے بالمقابل سب ماسوی
کا علم ہیچ ہے۔ سب گتھی معاملوں کی خبر ہیچ ہے۔ علم حقائق
الاشیاء صفر ہے۔ علم موالید جہاں ہیچ ہے۔ وہاں بڑی سے بڑی
نفع مند خبر جو انسان کو مل سکتی ہے یہ ہے کہ اس زمین و آسمان کی
ملکوت کیا ہے؟ علم قضا و قدر کیوں کر ہے؟ الٰہی فیصلے کس اصول اور
قانون کے مطابق ہیں۔ انھیں کیوں فلک الافلاک پر چڑھا جاتی ہیں؟
قومیں کیوں تحت الثریٰ میں گرتی ہیں پھر کس معیار کو دیکھ کر اٹھاتی ہے پھر کس دستور کو
تباہ کر ملتی ہے؟ یہی وہ عظیم بالشان سوال ہیں جو نسلِ انسانی کے لئے موت
و حیات کے سوال ہیں۔ ان کے بالمقابل کسی فرد کی

بہبودی کا سوال ہی بیچ ہے۔ شخصی افراط کی تلاش ہی بیچ ہے۔ انفرادی تفریط کا خیال ہی بیچ ہے، جو بات حتمی اور قطعی ہے یہ ہے کہ زمین کا یہ کارگاہِ جلیل کمالِ عدل و انصاف پر چل رہا ہے۔ صحت اور توازن سے چل رہا ہے، دھڑلے اور تمکنت سے، قوت اور زور سے چل رہا ہے۔ اس میں جو بات ہو رہی ہے نقد و نظر سے ہو رہی ہے، انتخاب و انتظام سے ہو رہی ہے اس کا محرک جلّ و علیٰ وہ مالک سمیع و بصیر ہے، جو ہر ایک شے کو بغور تمام دیکھ رہا ہے۔ پہنائے زمین کو دیکھ رہا ہے، نسلِ انسانی کو دیکھ رہا ہے۔ افراد کے سعی و عمل کو دیکھ رہا ہے، بد و نیک کو، کو، شاہ و گدا کو، بالا و پست کو دیکھ رہا ہے۔ اس منتظم اور مضبوط اس لرزہ نگن اور صحیح حکومت کے اندر استبداد کی بو قطعاً نہیں افراط و تفریط قطعاً نہیں، نواب کی لا ابالیت اصلاً نہیں امیر الیقین ہے کہ ملکوتِ جہاں کی اسی اہم عشق کا علم سب انبیائے کرام کو ملا۔ اور اسی آئین جزا و سزا کی خبر انہوں نے ڈنکے کی چوٹ دی۔ انہوں نے انسان کو اس زمین پر خوش اسلوبی سے رہنے کا ڈھنگ سکھلایا۔ انہوں نے اجتماعی بقا کی راہ دکھلائی۔ انہوں نے اقوام کے مد و جزر کے اصول بیان کئے حکومت خداوند نظم سے قطعاً بری ثابت کر کے دنیاوی سزا کی تعیین کی، اخروی جزا و سزا کی تبیین کی، افراد کے طرزِ عمل کو ظاہر کیا، امتوں کو راہِ راست پر چلا کر

ہمدیوں تک تمکن اور دوام دے گئے۔ نافرمانوں کو ان آنکھوں سے سزا ملتی ہوئی دکھا گئے۔ یہی ان کا لایا ہوا دین تھا، اور اسی دین کے طرزِ عمل پر چلنے کا خدا متمنی تھا۔ اگر انسان کے اس دنیا میں چلن کا فی الحقیقت کوئی مقرر دستور نہیں، اگر اس کا اس جہاں میں کوئی طریقِ عمل سب اناپ شناپ اور اٹا سٹا ہی ہے، اگر اس کی نسل کے متعلق شادی وغم، عسر و یسر، سزا وجزا، فنا و دوام کے سب کسی صحت والتزام سے نہیں ہوتے، اگر زمین و آسمان کے اس کارگاہِ عظیم میں انسان ہی وہ بدبخت وجود ہے جس کا اس دنیا میں طرزِ عمل کسی اصول کے ماتحت نہیں، اسکا کوئی دین مقرر نہیں درآں حالیکہ ادنیٰ مخلوق حیوانی اور نباتاتی سب کی سب اپنی اپنی راہ پر اور مذہب پر لگی ہے مقررہ فرض ادا کر رہی ہے، کہیں جب سورج کا زمین سے ۱۳ لاکھ گنا بڑا کرہ بھی اس شان والیت کے باوجود اس صحت اور التزام سے اپنے وقت پر نکلتا ہے، ساکنانِ زمین کو خبر دے رہا ہے۔ کسی بے مثال حاکم کے حکم پر مجبور ہے، کسی ہیبت انگیز اور لرزہ خیز قانون کو نباہ رہا ہے۔ اگر یہ اوروں کے حق میں سب کچھ ہے اور انسان کے حق میں کچھ بھی نہیں۔ تو اس دنیا کے اندر سزا وجزا سب ظلم ہے، شادی وغم ظلم ہے، فنا و بقا ظلم ہے، شانِ کبریا سے بعید ہے۔ حکومت کی ساکھ کے خلاف ہے۔ سنت اللہ اور عادتِ ربّ العلمین کی نقیض ہے! اگر اس کارخانے کی بناء انسان کے حق میں

یکسر ظلم پر ہے تو یہ زمین اس کے لائق نہیں۔ اور اگر عالم آرائے نعم زمین و آسمان نے انبیاؑ کو کم از کم یہ طریق عمل، یہ آئین البشر، یہ دین متین نہیں بتلایا تو درحقیقت کچھ نہیں کیا!"

اس مربوط اور علم واقعی الامر کی بنیاد پر علامہ مرحوم نے ثابت کیا ہے کہ اسلام اللہ کا بتلایا ہوا دین صرف انسان کی بہتری اور پرامن اور تعمیری طرز عمل کا کامل اور جامع راستہ ہے۔ انہوں نے واضح کیا ہے کہ کائنات کی ہر شے متعین قانون پر چل کر احکام خدا نبھا رہی ہے۔ دن اور رات نباہ رہا ہے۔ غرضیکہ ہر لمحہ نبھا رہا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ انسان کے لیے اللہ نے متعین راہ عمل نہ دکھلایا ہو۔ علامہ مرحوم کا استدلال کہ جس طرح سورج جو ہماری زمین سے تیرہ لاکھ گنا بڑا ہے۔ مقرر اور متعین راستے پر چل کر عوام الناس کو نور اور روشنی پہنچا رہا ہے۔ اور اتنے بڑے سورج کی مجال نہیں کہ ذرہ برابر متعین راستے سے ایک اعشاریہ تک بھی ہل سکتا ہے۔ تو کیا انسان کے کوئی دین اللہ نے عطا نہیں کیا اور اگر کیا ہے تو وہ کونسا دین ہے۔ آگے چل کر علامہ مرحوم فرماتے ہیں کہ

" پس انسان کا اس دنیا میں صحیح طرز عمل ہی فی التحقیقت اس کا "دین" ہے اور امتوں کی سزا و جزا کا اٹل دستور سمجھ لینا اس کا فرض عینی ہے۔ اسی کا علم علم الادیان ہے، اسی دین کی قطعی ضرورت ہر فرد بشر کو ہے، اسی کے مختلف اجزا یا وہ تمام و کمال پیغمبران جہاں مختلف موقعوں پر لاتے اور قرنوں تک لوگوں کو اس بتائی ہوئی راہ پر چلاتے رہے

نیکی اور بدی، سچ اور غلط، راستی اور کجی تمام تر احساسِ نابلد اور حیوان نما انسان میں اسی علم کے باعث پھیلا۔ وہ اجتماعی خوبیاں اور صلاحِ عمل جو روزِ اول سے ہر زندہ قوم کے افراد کی طبیعتِ ثانیہ بن جاتی ہے، سب کی سب اسی تعلیم سے ماخوذ اور اسی علم کا جزوِ قلیل ہے وہ اصولِ بقاء و دوام جن پر سب مرتقی امتیں آج بدرجۂ اتم عامل ہیں۔ اسی علمِ جلیل کے بقیہ آثار ہیں! انبیاؑ کو فطرت کے اس محکمۂ کبریٰ کا علم ان کی بے مثال بصیرت کے باعث ملا! اس کارگاہِ جہاں کو بحیثیتِ مجموعی اور اجماعی نظر سے دیکھ کر ملا! کمالِ غور و انہماک سے ملا! وسیع نظری اور بلند بینی سے ملا! تعلم کے بامِ بلند، اور تدبر کے افقِ اعلیٰ پر چڑھ کر ملا! زمین سے کتنی منزلیں بلند ہو کر بلکہ ستاروں کی رصدگاہوں پر پہنچ کر ملا! نہیں آسمان سے اور آسمان پر بسنے والے خدا سے ملا! وحی اور نبوت سے، عجز اور عشق سے، تدلی اور اور تکلم سے ملا! نبیؐ کی نبوت اس کے اپنے زمانے میں وہ لرزہ فگن اور سکون بر انداز شے تھی کہ جو گروہ اُن کے حلقۂ اثر میں آجاتا تھا اُن کے کہے پر یکسر عامل ہو جاتا، وہ رہنمایانِ جلیل اپنے گروہوں تک شگافِ علم اور پیہم عمل سے اپنی یقین انگیز تعلیم اور حوصلہ افزا تدریس سے، اپنی پردہ کشائیوں و تلقینوں سے قانونِ خدا اور اس کے گرد جمع ہو جاتا۔ اقل قلیل مدت میں وہ اُمت کامیاب اور فائز المرام ہو جاتی، اور سعی و عمل کے اس دار المحن

ہمیں آئندہ نسلوں کو مدتوں عمل کی راہ دکھلاتی! انسانی امتیں اس وحی کو بار بار بھولتی رہیں، بار بار ان کے عزم میں تزلزل اور علم میں کمی واقع ہوتی رہی۔ کچھ مرور وقت کے باعث، کچھ غلط تبلیغ سے، کچھ ناشناسوں کی کج بینی اور غلط رہنمائی سے کچھ انسان کے اپنے نکرد ناویلا سے، کچھ خوش اعتقادوں کی حسن نیت سے کچھ مکاروں کی بدنیتی اور نفس پسندی سے لوگ اس عہد خداوندی کو بار بار بھولتے رہے۔ لیکن انبیائے کرام نے پھر ایک مدت کے بعد اس سبق کی تجدید کی، قانون الٰہی کو دوہرا کر پھر عمل پیدا کیا۔ قرنوں کے جبن وانحطاط کو مردی اور بامردی میں بدلتے رہے، پہلے سبق میں کچھ اور ملا کر ہدایت کو بیش از بیش مکمل کیا، نئے احوال کے باعث نئے اوزار عمل وضع کئے، پرانی روشوں کو جن سے اصل قانون اور نفس دین پر کچھ اثر نہ پڑتا تھا بے اثر یا غیر ضروری سمجھ کر متروک کر دیا، نئے اور مؤثر طریقے اس اصل اصول کے لئے اختیار کئے۔ الغرض جس صورت اور رنگ میں اس تعلیم کا ظہور ہوا، ان کے ذریعے سے اصل دین ہی کی تجدید بلکہ تکمیل ہوتی رہی کوئی مخالف راہ عمل، کوئی نیا دین جدا مذہب دنیا کے کسی نبیؑ نے حتماً قائم نہیں کیا وہ سب کے سب اسی ایک اصل واساس ہی کو، اسی حقیقت مفردہ اور صدق بسیط کو، اس دین فطرت سے باغی انسانی امتیں دم بدم بدلتی رہیں۔ اور دردناک سزائیں پا پا کر ہلاک ہوتی رہیں۔ الغرض انہوں نے اس ناقابل بدل آئین پر

اپنے تمام عقائد کی، اعمال و افعال کی، مراسم و شرائع کی تعمیر کی، لوگوں نے بعد میں دینِ فطرت کے ان تمام ظواہد و مناسک جو قانونِ خدا پر چلنے کے صرف خارجی وسائل تھے، اساسِ دین سمجھ لیا، فروعات کو عینِ شریعت سمجھ کر اصل سے غافل ہو گئے۔ ان کی سطحی اور رسمی بناہ پر ہی اپنا سارا زور صرف کرکے نتائج سے بے پرواہ ہو گئے! ادھر امتوں نے اپنے رہنماؤں سے ذاتی عقیدت اور نیازمندی ظاہر کرنے اور حسبِ مطلب احکام کی ضرورت سے زیادہ اہم سمجھنے میں ناروا غلو کیا، ایک پیغمبر کے ظواہر و شعائر سے ہٹ کرنے رہنما کی ملت میں شامل ہونا توہین سمجھا، پھر لوگ انبیاء کی وساطت سے قانونِ خدا کی تعمیل کرنے، اور اس کو ذریعۂ علم سمجھنے کی بجائے ان کے پیچھے لگ کر فرقہ بند بن گئے، خدا کو تسلیم کرنے اور مسلم بننے کی بجائے موسوئیؑ، گوتمیؑ، عیسائیؑ، اور محمدیؐ بن گئے اُن ہی کو سراہنا، اُن کو اپنے اعمال و افعال میں ثبت بنا لینا جزو دین جانا، نفسانیت اور ضد کی اس کشاکش میں اصلیت سرتاپا مسخ ہو گئی! قانونِ خدا نگاہوں سے اوجھل ہو گیا! مذہب صرف چند بے اثر رسوم اور بے سبب رواجوں کا نام رہ گیا، انسانی الم یکسر غائب ہو گئی، ہندو گائے کے احترام میں ناروا غلو کرکے اس کی پرستش شروع کر دی، اوصافِ خدا کو ظاہری اہمیت دینے کے بہانے سے ہر وصف کا علیحدہ مظہر، دیوتا کی صورت میں وضع کیا، عیسائی

مسیحؑ کو مسیح ابن خدا کہنے لگے، مسلمانوں نے داڑھیوں اور تہمدوں مسواکوں اور ڈھیلوں کو اسلام سمجھ لیا، یہودی تسبیحوں کے پیچھے لگ گئے، بدھ چلہ کشی میں محو ہو گئے، گبر نے نورِ آتش کو خدا سمجھ لیا! پھر حج، جاترے، نماز، زکوٰۃ، روزے، برت وغیرہ وغیرہ سب کے سب بے مطلب رسوم اور بے نتیجہ شمار ہو گئے، مذہب بے دلیل شے بن گیا، ذہن اور منطق سے اس کا واسطہ نہ رہا! خدا کے بنائے ہوئے آئین عمل اور انبیاؑ کے لائے ہوئے علم نے خدا کے دیئے ہوئے ذہن کو قطعاً بے دخل کر دیا! آج مذہب اور علم کے مابین اجنبیت اور امم عالم کے مابین سب داخلی اور خارجی فرقہ بندی اسی نسیان، درس اور غلو فی الدین کا نتیجہ ہے!"

علامہ مرحوم نے جہاں دین کے معیاروں کی بادلیل تشریح کی وہاں انہوں نے دینِ اسلام کے تئیں اپنے موقف اور مسلک کو وا شگاف الفاظ میں اور بکمالِ جرات مندی سے بیان کیا ہے۔ انہوں نے تمام مشق و رواج کے بے ہنگم بتوں کو توڑ کر منافیِ اسلام اور اسلام کے طرزِ عبادت کی صحیح نشان دہی کرتے ہوئے اعلان کیا کہ رسمی عقائد اور بے اثر عبادات ہرگز اسلام نہیں، بے ہنگم ہجوم سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔ علامہ مرحوم کے نزدیک اللہ کا پیغام انسان کی جانب ایک ہی مقصد کے لئے تھا۔ وہ یہ کہ انسان ایک اور نیک ہو کر اس دنیا میں رہے۔ باہم عشق و محبت کے رشتوں سے بندھ ہو کر کشمکشِ حیات

کے تمام منازل طے کرتے ہیں۔ انسان کی وحدت اصل توحید کی جان ہے اور اسی توحید کو قائم اور دائم رکھنے کے لئے پیغامبر آتے رہے۔ چنانچہ علامہ مرحوم فرماتے ہیں۔

"میرے نزدیک قرآن کی توحید یہ ہے کہ دل کے اندر کسی ماسوا سے تعلق نہ رہے، کسی دنیاوی شیے سے اس قدر اعتنا نہ بڑھے کہ غیر خدا کو خدا پر ترجیح دی جائے، قلب کے اندر اولاد کا بت نہ ہو، گھوڑوں اور مکانوں زمینوں اور بیویوں کے بت نہ ہوں، ماں باپ کی، اقربا اور اعزا کی محبت کا بت نہ ہو۔ پیر و فقیر، اولیاء و اصفیا کی ارادت کے بت نہ ہوں، حکام سے غرض مندی کے بت نہ ہوں۔ طمع و حرص کے بت نہ ہوں، نفس پسندی کا بت نہ ہو، الغرض شیطان کا کچھ غلبہ نہ ہو، کوئی شیے سوائے خدا کے دل پر حکمران نہ رہے، کسی بت کے دل آسا اور آرام دِہ حکم کو خدا کے سعی طلب اور صبر آزما حکموں پر کسی وقت ترجیح نہ دی جائے۔ یہ توحید ہے یہی اصل ایمان ہے یہی سچا موحد بنتا ہے۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ (البقرہ)

جو شخص ۲۴ گھنٹے اس توحید کو نباہ رہا ہے، ہر لمحہ جو کچھ کر رہا ہے، خدا کا کام کر رہا ہے، شیطان کی ملازمت نہیں کرتا، اس کی فوری اُجرت اور نقد مزدوری کا خیال نہ کر کے خدا کے اخروی اجر کو نہیں بلکہ اس عالم مطلق کے وعدہ کئے ہوئے نسیئے کو، اس کے دِہ چند ادھار کو بہتر سمجھ کر شیطان کو ابلہ فریب ترغیب پر نہیں چلتا، وہ اس چوبیس ۲۴ گھنٹے تک موحد ہے۔ مومن خدا ہے

منکر شیطان ہے، ملازم احکم الحاکمین ہے، اللہ کا نوکر ہے، عبد ہے، عابد خدا ہے! جس وقت اس نے حکم خدا کو چھوڑ کر کوئی بت اپنے دل کے اندر پیدا کر لیا ہے۔ کسی ماسوا کے حکم کو ترجیح دی، کوئی تن آسانی کا کمرہ بنا لیا، کسی فوری نفع کے پیچھے لگ گیا، اسی وقت سے اس کا ایمان ساقط ہے، اس کی توحید زائل ہے، وہ مومن نہیں رہا، مسلم قطعاً نہیں، عبد نہیں، عبادت گذار نہیں، ملازم خدا نہیں بلکہ وہ صحیح معنوں میں مشرک ہے، منکر خدا ہے، کافر رب العلمین ہے! یہی میری نگاہوں میں سچی عبادت ہے یہی لفظ عبادت کا الٰہی اور قرآنی، سچا اور اصلی مفہوم ہے۔ منہ سے اللہ اللہ پکارتے رہنا زبان سے احد احد کہتے رہنا، اور دل کے اندر تین سو ساٹھ (۳۶۰) بتوں کا ایک صنم کدہ سجائے رکھنا، اور کام کے وقت "توفیق نہ ہونے" کا ایسی عذر تراشی لینا میرے نزدیک بد معاشی ہے پوری بے ایمانی اور انتہائی کفر ہے، کفر عظیم ہے! کسی ملازم نے آج تک اپنے آقا کو ایک ایک کر کے نہیں پکارا! کسی تنگ دل سے تنگدل آقا نے اپنے نوکر کو اس بات پر متعین نہیں کیا کہ وہ اس کو روز و شب ایک ایک کر کے پکارتا رہے! ایسا حکم ازبس مضحکہ انگیز ہے، ایسا عمل ازبس ابلہانہ ہے! آقا کی توحید یہی ہے کہ نوکر کسی ہمسائے کا کام نہ کرتا پھرے، کسی دشمن کا ملازم نہ بنے جس سے امیدوار نامزد ہو اسی کا حکم ماننے نہ یہ کہ منہ سے تو اسکا راگ الاپتا پھرے

مگر کام غیروں کا کرے اور تنخواہ کے وقت آ حاضر ہو۔ نہیں بلکہ جو شخص آقا کے اذن میں ہے، خوشدل مزدور ہے تن وہی سے اُس کے احکام کی تعمیل کر رہا ہے اس کی خاطر اپنی جان جوکھوں میں ڈال رہا ہے، شبانہ روز اس کی اطاعت میں مصروف ہے۔ اس کے لئے آقا کو دمبدم سر لاتے رہنا بھی ضروری نہیں، اس کو لمحے لمحے کے سلام کرنا بھی مخلِ عبادت ہے، اس کا ہر وقت کلمہ پڑھتے رہنا ملازمت میں ہارج ہے، اس کو ایک ایک کہتے رہنا بھی عبث ہے، مضحکہ انگیز ہے، مسخرہ پن ہے! اس کے ہاتھ پاؤں کی حرکت، اُس کے گھر کی جھاڑ پونچھ، اس کا آقا کی اشیا کو درست رکھنا، اُس کی تگ و دو، دوڑ دھوپ وغیرہ وغیرہ سب اس بات کی حتمی شاہد ہیں کہ وہ ایک خواجہ کا ملازم ہے اَشْهَدُ اَنْ لَا مَوْلیٰ اِلَّا هُو کا مصداق ہے۔ اس سے بڑھ کر اُس آقا کی توحید کا قطعاً کوئی ثبوت نہیں! ارادت یا عقیدت کے اظہار کے لئے احیاناً نوکر کا سلام کرنا بھی ضروری ہے، اس کے حضور میں حاضر ہو کر نہایت عجز اور محبت سے، اخلاص اور ولولے سے کچھ منہ سے کہہ دینا بھی ضروری ہے۔ یہ بھی مہیج خدمت ہے، محرکِ اعضا، تگ و دو کے حوصلے بڑھاتا ہے، آقا سے ارادت پیدا کرتا ہے۔ اُس کو اور خوش کرنے کا ایک عجیب نسخہ ہے، نہیں یہ بھی ایک نقطۂ نظر سے اُس نوکر کی ملازمت اور بندگی، اُس کی غلامی اور عبادت کا ایک جزو

تخفیف ہے، ادنیٰ سا گنہ بہر نوع ضروری حصہ ہے۔ مگر یہ سلام سلام بھی اسی وقت سجتا ہے جب کہ نوکر اپنے مالک کے پیہم اذن میں ہو، دن رات اسی کا کام کرتا ہے، اسی کی خدمت کرتے کرتے لگتے ہاتھ چند لمحوں کے لئے "غریب پرور اور" بندہ نواز" بھی کہہ جائے۔ کام چور اور حرام خور نوکر کے لئے ہر وقت سلام کرتے رہنا، یہ دمبدم ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جانا یا مؤدب سرو قد ہو جانا پرلے درجے کی گستاخی اور بدمعاشی ہے، نہیں بلکہ غلام کارکن ہو یا ناکارہ کوئی آقا، اس پیہم سلام کو پسند نہیں کرتا اور بااوقات کام کو سلام پر چند در چند ترجیح دیتا ہے، اُسی کو بہتر سمجھتا ہے جس کا کام اس کے زبانی جمع خرچ سے کئی گنا زیادہ ہو، جو کرتا ہے اور کم گو ہو، مالک تعالیٰ زمین و آسمان کو توحید کا بھی بعینہٖ یہی انداز ہے، قطعاً یہی رنگ ہے، یہی یہی ابتدا اور یہی انتہا ہے یہ اس کی ملازمت میں ہاتھ پاؤں کا عمل کرتے رہنا یہی عبادت ہے، یہی اُعْبُدُوْا رَبَّکُمْ (حج ۲۳) کے صحیح معنی ہیں، یہی شُھَدَاءَ عَلَی النَّاسِ (حج ۲۲) بننا ہے، یہی اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا واحد مطلب ہے، یہ اس کی اطاعت دکھ اٹھانا ہی سچا دین ہے، یہی فَاعْبُدِ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ ۝ (زمر ۳۹) کا سچا مفہوم ہے، یہی جَاھِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ (حج ۲۲) کے ٹھیک معنی ہیں، نہیں یہ خوشدل مزدور بنے رہنا اور ماتھے پر

بل نہ لانا ہی مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (حج ۲۲)
کا واحد مقصود ہے ، یہی مسلم اور مطیع بنناہے ، یہی اسلام اور ایمان
ہے ۔ مصلاؤں پر بیٹھ کر اللہ اللہ جپتے رہنا ، کھلیاں اوڑھ کر گوشوں میں او نگھنا
اور تکلیف دہ احکام سے تجاہل عارفانہ کر کے ان کو ٹالتے رہنا ، ہاتھوں پیروں
کے عمل سے گریز کرنا اور دل کے اندر ایک لاکھ بتوں کی انجمن لگائے رکھنا
میرے نزدیک قطعاً کوئی عبادت نہیں ، کوئی توحید نہیں ، عبادت کا دسواں
بلکہ لاکھواں حصہ نہیں بلکہ ریاکاری اور مکاری ہے ، شرک اور کفر ہے خدا
کو قطعاً ناپسند ہے ۔ کام چوری کے ڈھنگ ہیں ، نفس کو دھوکہ دینا ہے وَرَهْبَانِيَّةً
ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا
فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا (حدید ۵۷) خدا کو انسان کی وہی حاضری
پسند ہے جو کسی نتیجہ خیز عمل کے بعد ظہور میں آتی ہو ۔ وہی ابتغاء رضوان
اللہ کے تحت میں آسکتی ہے جو کسی کام کے کر لینے کے بعد واقع ہوتی ہے ، جو
نعمت اور انعام کے حصول کے لئے ہو ، جو شاباش لینے کی تڑپ میں از خود پیدا
ہو گئی ہو ، ناکارہ اور بے عمل ، بھگوڑا اور کاہل الوجود نوکر آقا کے حضور کس منہ
سے جائیگا ، وہ کس شیخی سے منہ دکھلاتا پھرے گا ۔ اگر اس نے کچھ کام نہ کیا تو اس
کی حاضری بھی عبث ہے ، اس کی رہبانیت بھی لاطائل ہے ، مالک کی رضا جوئی
کے لئے قطعاً نہیں ، نہیں بلکہ اس کو الٹا طیش میں لانے کا عمدہ بہانہ ہے

قرآن کی الصلوٰۃ، صرف ایک نوکر کا پنجوقتہ سلام ہے، ایک کارکن خادم کی احیاناً اپنے مالک کے حضور میں حاضری ہے، ایک نعمت کے حصول کی غرض سے ہے اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم (فاتحہ) کسی ترقی تنخواہ کی عرض معروض ہے، کچھ قرب شاہ کے باعث افزائی کا سامان ہے کچھ خدمت کے سوتے ہوئے جذبے کو تحریک کرنے کا وسیلہ ہے، کچھ تھکے اعضا کو پھر تازہ کرنے کا ذریعہ ہے، کچھ آقائے نامدار کے ساتھ اپنی ارادت کو تیز کرنے کا اوزار ہے، یہ سب کچھ ہے مگر عبادت قطعاً نہیں۔ خدا کی عبادت، فی الحقیقت ان پانچ وقتوں کے بعد سے شروع ہوتی ہے۔ وہ اس وقت ہو رہی ہے جب مصلاؤں سے اٹھ کر لوگ احکام خدا کی تعمیل میں لگ جاتے ہیں۔ جب ہاتھ سعی و عمل (۱) میں مصروف ہوتے ہیں۔ جب تن آسانی کے بت کو توڑ کر تگ و دو کی جاتی ہے، جب وراثت زمین کے نصب العین کو پیش نظر رکھ کر سب اعضا وقف عمل ہو جاتے ہیں، جب نفس کے بت کو زیر کر کے نادار کے ساتھ احسان کیا جاتا ہے۔ جب محبت مال کے بت کی پرواہ نہ کر کے خدا کی راہ میں جہاد بالمال (۲) ہوتا ہے۔ جب حب اولاد کے بت سے بے نیاز ہو کر حکم سفر ہوتا ہے۔ جب مکانوں اور باغیچوں کے جنتوں سے تعلق توڑ کر خدا کے اشارے پر ہجرت ہوا کرتی ہے، جب نفس

پسندی کے بت کو توڑ کر جہاد بالسیف[۴] کیا جاتا ہے۔ جان کھینچ کھینچ کر حلق تک پہنچتی ہے اور خدا یاد آجاتا ہے۔ جب کبر و نخوت کے دیو کو رام کر کے امیر جماعت کی اطاعت[۵] میں سر جھک جاتے ہیں، جب فرقہ پسندی کے طاغوت اور خود آرائی کے دجال کو جہنم میں جھونک کر لوگ متحد ہو جاتے ہیں۔ توحید کو عملاً مان کر امت میں وحدت[۶] اور یکسو ہو جاتی ہے یُوقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ (سورہ مائدہ) کا شیطانی وسوسہ اَللّٰہُ اَلَّفَ بَیْنَھُمْ ط (انفال) کے ربانی عمل سے بدل جاتا ہے۔ شرک کی پیدا کی ہوئی تفریق توحید[۷] کی پیدا کی ہوتی توحید سے بدل جاتی ہے! عبادت خدا کا وقت در حقیقت وہ وقت ہے جو اعمال خدا کے علم[۸] کی تلاش میں مشرق اور مغرب ایک کر دیئے جاتے ہیں، جب خدا کو ماننے، اس کی عظمت اور حکمت کا برای العین اندازہ لگانے، اس کی معرفت اور شناسائی کے مدارج علیا تک پہنچنے کے لئے اس کی بنائی ہوئی اشیاء کی معرفت جزو دین بن جاتی ہے، جب حسن اخلاق[۹] عدل اور احسان ایفائے عہد اور اخوت، رحم اور رافت کی ربانی بزرگیاں ہر متنفس کا عین ایمان اور عین اسلام بن جاتی ہیں، ہاں خدا کی عبادت فی الحقیقت اس وقت ہو رہی ہے۔ جب روز جزا کے یقین پر اور یوم آخرت[۱۰] پر ایمان کے باعث بندۂ خدا اپنے تن کو، من کو، دھن کو آقائے نامدار اور اس مالک یوم الدین کی خوشنودی اور خدمت میں

قربان کر دیتا ہے، مہینے کے آخیر پر تنخواہ ملنے کی امید میں مہینہ بھر جان لڑا دیتا ہے
نہیں اس چار دن کی زندگی کے ختم ہونے پر ابدالآباد تک "الجنۃ" کے حقدار
ہونے کی توقع میں اپنے آپ کو پیہم دُکھ، مسلسل تکلیف اور متواتر سعی
و عمل میں مشغول رکھتا ہے، عبادت کا سچا اور صحیح مفہوم یہ ہے، یہی توحید
ہے یہی اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ (آل عمران ۳) کے ناقابل انکار معانی ہیں۔ یہی
لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا (آل عمران) کا واحد مطلب ہے۔ ایسی عبادت
وقت، مقام، قوموں اور قعدوں، رکعتوں اور رکنوں سے قطعاً مستغنی ہے،
فجر اور ظہر اور مغرب، عشا یا اشراق، مسجد یا خانقاہ سے اس کو کچھ واسطہ نہیں
یہ ایک پیہم اور مسلسل عمل ہے۔ چند لمحوں تک کھڑا ہونا یا بیٹھ جانا اس کو ادا کرنے
کا اسلوب نہیں، قرآن کی کہی ہوئی الصلوٰۃ، اگر کسی معنوں میں داخلِ عبادت
ہے تو اس لئے کہ یہ بھی اور بیسیوں حکموں میں سے خدا کا ایک حکم ہے اور نماز یا
اس فرض کا ادا کرنا بھی اور حکموں کی طرح شاملِ خدمت ہے، یا اگر وہ داخلِ عبادت
ہو سکتی ہے تو اس طرح پر جس طرح کہ ایک نجار یا معمار کا اپنے اوزاروں کو چند
لمحوں کے لئے تیز کر لینا دن بھر کی مزدوری میں شامل ہے۔ اگرچہ مستاجر کی
اصلی غرض معمار سے مکان تیار کروانے کی ہے اس سے کمتر کچھ نہیں وہ
اسی بات کو پیشِ نظر رکھ کر اوزاروں کو تیز کرنا بھی ملازمت اور مزدوری میں
شامل کر لیتا ہے۔ اور اس کو نوکری کا ایک جز سمجھتا ہے۔ لیکن جو نماز تمام

دن ہتھیار تیز کرنے میں صرف کر دے اور کام کرنے سے گریز کرے، ایک کیل نہ ٹھونکے، ایک تختے کو صاف نہ کرے، ایک ہا شہتیر کو موقع پر نہ لگائے وہ مستاجر کے نزدیک کام کر رہا ہے۔ بلکہ اس بد معاشی کی اجرت مانگنا ہی گستاخی ہے۔ پس میرے نزدیک اصل عبادت عمل اور صرف عمل ہے۔ نری پنج وقتہ نماز پڑھ لینا قطعاً کوئی عبادت نہیں! آقا کی ملازمت اور عبادت کا پہلا محرک آقا سے تعلق لگائے رکھنا ہے، اور اس تعلق کو مستحکم کرنے کا عمدہ ذریعہ الصلوٰۃ ہے۔ پس اگر کوئی نماز خدا سے لگاؤ پیدا کر کے اس کی خدمت اور عبادت نہ کرائے، اس کا ذکر، اس کا کھٹکا، اس کی یاد، اس پر پس پردہ یقین، اس پر ایمان بالغیب پیدا کر کے اس کے دئے ہوئے حکموں کی تعمیل پیہم نہ کراتی رہے تو وہ ایک بیکار ہتھیار ہے۔ نہیں۔ بلکہ اس کار فرما کھٹکے اور ڈر کا پیدا ہو جانا ہی اصل مقصود ہے۔ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ ؕ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ ؕ وَ اللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝ (عنکبوت ۲۹)۔ نماز بجائے خود مقصود بالذات نہیں (الصلوٰۃ) صرف اس وقت ایک مؤثر اور بکار آمد ہتھیار ہے جب اس کو پنجوقتہ نماز ادا کرنے سے دلوں کے تنگ اور بغض سے بھرے ہوئے حجرے پہنائے زمین و آسمان کی طرح فراخ ہوتے جائیں۔ جب سب نمازیوں کے دلوں میں محبت اور راحت کی نہر سلسبیل پیہم دوڑتی رہے۔ جب مسلمانوں کی عالم آراء امت میں باہمی اتحاد کی مشترکہ جنبش

اور خوفِ خدا کی مشترک لرزشیں ہر آن پیدا ہوں، جب مساوات اور اخوت
کا آسمانی شرکن نزولِ امت کے ہر رگ و پے میں ہر وقت جاری رہے۔ جب اطاعت
امام کو دراصل اطاعتِ امیر کی ایک پیہم یاد دہانی سمجھ کر پوری امت ایک
امیر کے اذن میں سر بکف اور تیغ بر سر پھرتی رہے، جب اس پنجوقتہ اجتماع
کو الٰہی فوج کے سپہ سالار کے حضور میں پنج وقتہ پیشی سمجھ کر ہر مسلمان ہر وقت
سپاہی بنا رہے، جب تمام جماعت کے متفقہ رکوع و سجود کو تنظیم و نسق کا
خدائی سبق اور اطاعت اولوالامر کا عملی حکم سمجھ کر ہر مسلمان کی گردنیں رسولِ خدا
کے سچے قائدِ اعظم کے آگے ہر دم جھکی رہیں۔ ہاں الصلوٰۃ صرف اسی وقت الصلوٰۃ
ہے جب اس سے تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ہوتا رہے۔ جب خدا کے
نزدیک انسان کی سب سے بڑی یعنی تفرقہ و نفاق کی بدی (المنکر) کا نام
و نشان نہ رہے، جب اس پنج وقتہ صحبت کو اتحادِ عمل کا ایزدی سبق یقین کر کے
عداوت اور بغض کا طاغوتی بت ہر لحظہ ٹوٹتا رہے، جب خدا کے نزدیک
انسان کا سب سے بڑا یعنی تنگئ قلب، تھڑدلی اور بخل کا عیب (الفحشاء)
دلوں سے معدوم ہوتا رہے، کوئی شئے، کوئی نماز گذار کسی مسلمان سے دریغ
نہ کرے۔ بڑی سے بڑی مساعدت، بڑے سے بڑا ایثار، بڑی رواداری بھی کسی فرد
پر گراں نہ گذرے، نہ یہ کہ نماز پڑھ کر اور ریا کر کے دل اس قدر پست ہو جائیں کہ
یَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ (ماعون ۱۰) کا مصداق ہے؟ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ

اَلَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۙ الَّذِیْنَ هُمْ یُرَاءُوْنَ ۙ
وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝ (ماعون ۱۰۷) قرآن کی الصلوٰۃ ان سب
بیماریوں کی قاطع ہے ، ان سب مزمن اور متعدی ، طبعی اور جبلی اور امراض کے
لئے اکسیر اعظم ہے ۔ انسانی اخلاق کی اس دل آویز تعمیر کے لئے بہترین
اوزار ہے ۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۙ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا
وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَیْرُ مَنُوْعًا ۙ اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ ۙ ۝ (معارج ۷۰) بہشت
جنات ، زمین کی بادشاہت حاصل کرنے کا عمدہ ذریعہ ہے ۔ وَلَقَدْ اَخَذَ
اللّٰهُ مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا ؕ
وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ ؕ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّكٰوةَ
وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا
لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ
ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّیْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا
قُلُوْبَهُمْ قٰسِیَةً ۚ یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا
حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰی خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ
اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ
الْمُحْسِنِیْنَ ۝ (مائدہ) اس کا پیدا کیا ہوا ملکوتی اخلاق ، اس کے ذریعے

انصار اللہ بن کر تخلیقِ کائنات میں خالق کائنات کا معاون اور مددگار بنتا ہے۔ علامہ مرحوم نے رموزِ قرآن کا تذکرہ کر کے انسان کو تسخیر کائنات کا وہ فریضۂ اول یاد دلانے کی انتھک کوششیں کی جو آدم کے تخلیق میں اللہ کا منشاءِ عظیم تھا۔ چنانچہ علامہ مرحوم نے فرمایا تھا۔

"مغرب آج اس دینِ فطرت کے صرف چار یا پانچ اصولوں پر کما حقہٗ عمل کر رہا ہے اور فطرت کے خزانہ عامرہ سے بے مثال امن حاصل کر رہا ہے مسلمانوں کا ایک اصل پر بھی کچھ عمل نہیں رہا۔ اس لئے جلد مٹ رہے ہیں آج ان کے کسی گروہ میں نہ توحید باقی رہی ہے نہ اتحاد، نہ اطاعت، نہ قابلِ ذکر امیر، نہ جہاد بالسیف کے ولولے ہیں نہ ایثار مال، نہ اعمال خدا کا علم ہے نہ استقامت، نہ ایمان بالآخرۃ ہے۔ نہ مکارم اخلاق، نہ خوفِ عذاب ہے نہ طمع ثواب، شوقِ اصلاح ہے نہ ذوقِ ایمان خلافت کا منصب جس کا ایک ملائی اور اعتقادی، ایک ناکار بر آر اور مضحکہ انگیز ڈھانچہ قرنوں کے عطل و جمود کے بعد باقی ہے۔ صرف ایک عضوِ معطل ہے جس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ کہیں کہیں کوئی امید کی جھلک نظر آ رہی ہے، مگر بہ حرف اس چراغِ سحری کا ٹمٹمانا ہے۔ کسی طرف سے نئی درد انگیز کراہ نکل جاتی ہے مگر بہ سبب شیوۂ زناں ہے۔ اب جو سامنے نظر آ رہی ہے موت ہے اور موت وہ لازوال حقیقت ہے جس

سے کسی متنفس کو مفر نہیں!"

علامہ مرحوم نے "تذکرہ" کے دیباچہ کے اختتام پر اپنی تحقیق اور تفتیش کی بناء پر بہت ہی والہانہ اور مخلصانہ، پُراثر الفاظ میں فرمایا تھا۔

"مذہب کی ماہیت اور پیغام خدا کی حقیقت کے متعلق یہ وہ ابتدائی اور انتہائی خیالات ہیں جو میں نے اس دیباچے میں تمہیداً پیش کر دیتے ہیں۔ اصل کتاب کو شروع کرتے وقت مجھے اس تحریر یا اس قدر مفصل افتتاحیہ لکھنے کا گمان تک نہ تھا۔ میرا خیال تھا کہ قالیون خدا کی طرف دس مجلدات کے طول و طویل مباحث کے بعد بتدریج تمام رہنما تا ہو، کسی متنفس یا گروہ کے اعتقادی جذبات کو بہ یک وقت کم سے کم ٹھیس لگے اور اور حب تک ارشحات دلیل کے پیہم تقاطر سے دلوں کی رہ نہیں قطعاً ازام نہ ہو جائیں اور قرآن حکیم کی ایک ایک آیت اور نقطہ کے متعلق کئی پہلوؤں سے نقد و نظر کر کے کوئی قطعی اور آخری، ناقابل رد اور نالائق انکار فیصلہ نہ ہو جاتے کلام الٰہی کا تمام الاشحہ عمل ظاہر نہ کیا جاتے۔ اس امر کو پیش نظر رکھ کر میں نے چھ مجلدات کا مسودہ دو سال کے اندر اندر ختم کر دیا۔ اس میں یہ التزام کیا کہ تمام کتاب اول آخر تک کلام الٰہی کے مطالب اور مقاصد کی ایک مسلسل اور مربوط کہانی اس داستان میں صرف قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے انحطاط کی تہ کو پہنچ کر اس کی وجوہات کا کھوج

لگایا جائے۔ سب سے پہلے قرآن حکیم کے اپنے متعلق نفس دعاوی کو دیکھا جائے پھر ان دعاوی کی تصدیق کی تلاش ہو، پھر نفس اسلام کے ہر شعبہ عمل پر مستقل مباحث ہوں، اس کے قانون کی کنہ و ماہیت اور الٰہی اوامر و نواہی کی منطق کی طرف توجہ ہو اور انہی مباحث کے ضمن میں آیات الٰہی کے صحیح مطالب کی تبیین کر دی جائے۔ آیات الٰہی کی توضیح اس ترتیب سے ہو کہ ہر آیت کے مطالب کا انحصار حتی الوسع پہلے تصدیق شدہ مطالب کی بنا پر ہو، کوئی آیت حتی الامکان ایسی پیش نہ کی جائے جس کی مصطلحات کی تبیین اس سے پیشتر کی آیات میں نہ ہو چکی ہو۔ گویا سب اگلے اور پرانے خیالات کو یکطرف کر کے اور قرآن کے متعلق خالی الذہن ہو کر اس کو ازسرنو پڑھا جائے اور جوں جوں آیات الٰہی پیش ہوتے جائیں، مذہب کی ماہیت کا نقشہ خود بخود ذہنوں میں بیٹھتا رہے۔ یہ التزام اصل کتاب کی تمام تحریروں میں جو متن میں ہے قائم ہے اور حتی الوسع قائم رہے گا۔ حواشی کتاب میں جو بعد میں فرمائش پر اور نہایت اصرار سے لکھے گئے یہ التزام ہر جگہ قائم نہ رہ سکا اور نہ اس کا رکھ سکنا ممکن تھا۔ لیکن اسلام کی پرآشوب حالت اور طباعت کی بیحد مشکلات نے اس تدریج کے خیال کو بدل دیا اور جب دس مجلدات کا بیک وقت پیش کر دینا متعذر نظر آیا تو خیال ہوا کہ تمہید کے طور پر جو کچھ کہنا ہے بےخوف و خطر کہہ دیا جائے۔ جب ایک شے حقیقت ہے تو اس کا چھپانا یا اس کو روک روک کر ظاہر کرنا بھی اصل

مطلب کو ضبط کرنا ہے۔ دلیل کے انتظار میں یا مخالفت کے خوف سے ایک عالم آرا حقیقت کے اعلان کو ملتوی کر دینا شیوۂ مردانگی نہیں۔ بلکہ آفتاب کی دلیل آفتاب کے سوا کچھ نہیں! جو شخص صاحب نظر ہے اس کو کسی طول و طویل تحریر کی بھول بھلیوں میں لے جا کر منوانا عبث ہے، جس کی نگاہ کمزور ہے اس کو آہستہ آہستہ آفتاب دکھلانے کے لئے سب کے واسطے اندھیرا کر دینا کچھ ضروری نہیں۔ اگر جو کچھ میں نے لکھا ہے میری نگاہوں میں حقیقت ہے، صدق بسیط اور واقع الامر ہے، زمین و آسمان کا ایک اور اٹل، دائم اور قائم قانون ہے، اگر یہ سب کچھ جو آج ان آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے اسی کی تصدیق ہے، جو ہو چکا اسی کی ایک ناطق اور فیصلہ کن سند ہے، جو ہو کر رہے گا اس کی بہترین دلیل ہے تو اس حقیقت کا جلد بہانگ دہل اعلان کر دیا جائے اچھا ہے جس قدر جلد اس کے مخالف یا موافق پیدا ہو جائیں بہتر ہے۔ علم کے اعلان کے لئے کسی لمبی چوڑی دلیل کی ضرورت نہیں، وہ بذات خود ایک بہترین شے ہے اور یقین کو یقین کرنے کی سعی کرنا دراصل اس کے سچ ہونے میں شکوک پیدا کرتا ہے۔ خود قرآن حکیم جب نازل ہوا علم تھا، ایک روشن اور یقینی حقیقت تھی۔ لیکن جب آیا بن دلیل آیا، ہاں بن دلیل علم اور صدق بسیط نے سعی و عمل کی آگ اس لئے لگا دی کہ اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے لئے دلیل ضرورت نہ رہی تھی۔ اس آفتاب کو

آفتاب ثابت کرنے کی حاجت نہ باقی تھی۔ جب قرآن علم نہ رہا اور ظن واعتقاد
کی ادنیٰ سطح پر گر گیا اسی دن سے دلیلیں شروع ہوئیں، اسی دن سے لوگوں
نے تفسیر و تشریح کے طومار باندھ دیے! ہر کس و ناکس نے اس کو صحیح ثابت
کرنا شعار بنا لیا۔ اس کا نتیجہ یہی ہوا کہ استدلال کے باوجود قرآن پھر علم نہ بن سکا
سفلی منطق کے پائے چوبیں سخت بے تمکین ہی رہے۔ سعی و عمل پھر پیدا
نہ ہو سکا۔ پس اگر آیندہ اوراق کے اندر منطق اور دلیل کا ایک بے پایاں دریا
عز و تمکنت سے بہہ رہا ہے تو اس دیباچے کے اندر دریا کا آبدار موتی اور
گوہر غلطاں موجود ہے! اگر اس مفصل کے اندر دلیل اور برہان کی متانت
قائم ہے تو دیباچے اور افتتاحیے کے جملوں میں علم کا حکمانہ استیلا
اور حقیقت کا بے نیازانہ اختصار ہے۔ جس سرد مہری یا گرمجوشی سے اس
کتاب کا عالم اسلام میں استقبال ہو گا مجھے اس سے سروکار نہیں، میں
نے اپنی طرف سے علم اور منطق دونوں پیش کر دیے۔ اجمال اور تفصیل دونوں
یکجا کر دی ہے! جس نے اس اجمال سے کچھ حاصل نہیں کیا اس کے لیے دلیل اور
تفصیل آگے آ رہی ہے جس نے تفصیل کو دیکھ کر کچھ نہیں سمجھا اس کے لیے
اجمال حاضر ہے۔ اسلام کی ماہیت کے متعلق جو کچھ میں نے کہا اور کہنا ہے
میری نگاہوں میں حقیقت ہے۔ فی الجملہ اور بحیثیت مجموعی حقیقت ہے
پس اس امر کے متعلق کسی بحث میں پڑنا میری نظروں میں عبث ہے

تَنْظُرُوْنَ ۝ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْکُمْ وَلٰکِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ

(سورۃ الواقعہ ۵۶)

ہاں اس دن اس تحریر کی طرف پھر رجوع ہوگا، اس کے اوراق کو طاقِ نسیان سے اٹھا کر پھر پڑھنا شروع کر دیں گے۔ اس کی توحید کو پکار اٰمَنَّا پکار اٹھیں گے، قرآن کو اٹھا اٹھا کر حَسْبُنَا اللّٰہ کہہ دیں گے، غیظ و اسف سے انگلیاں کاٹ کاٹ کر رہ جائیں گے۔ فرش سے عرش تک ایک چیخ و پکار پیدا ہو جائے گی، آہ لیکن وہ وقت توبہ اور عمل کا نہیں ہوگا، قضا اور اجل کا ہوگا موت و ہلاکت کا ہوگا۔ یا بخلقِ جدیدٍ کا ہوگا ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ کے نعروں کا ہوگا، جہنم کے سر بفلک شعلوں کا ہوگا، آہوں اور کراہوں کا ہوگا اس آڑے اور آخری وقت میں اس توحید، اس اسلام، اس ایمان کی طرف رجوع کرنا عبث ہے!

فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَحْدَہٗ وَکَفَرْنَا بِمَا کُنَّا بِہٖ مُشْرِکِیْنَ ۝ فَلَمْ یَکُ یَنْفَعُھُمْ اِیْمَانُھُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰہِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ فِیْ عِبَادِہٖ ۚ وَخَسِرَ ھُنَالِکَ الْکٰفِرُوْنَ (المومن ۴۰)

علامہ مرحوم نے نہ صرف اپنی درجنوں تصنیفات کے ذریعے اسلام کی آفاقیت اور عالمِ انسانیت کے لئے مکمل ضابطۂ حیات کی تشریح کی بلکہ غیر منقسم ہندوستان کے

عوام کو متحد اور منظم کرنے کے لئے ایک تحریک چلائی - اس تحریک کا نام "خاکسار تحریک" تھا - اس تحریک کو مندرجہ ذیل اصولوں اور نکات پر چلا کر عوام میں ایک ایسی حرکت پیدا کی کہ انگریزی سامراج کے علاوہ وہ تمام عناصر جو ہندوستانی عوام پر مسلط ہو کر دین اور دھرم کے نام پر لوٹ کھسوٹ کر رہے تھے کپکپا اٹھے ؛ -

خاکسار تحریک کے چوبیس (۲۴) اصول

(۱) کسی مسلمان کے خلاف نہ ہو -

(۲) سب ہمسایہ طاقتوں سے رواداری رکھے -

(۳) مجاہدانہ اور سپاہیانہ قابلیتیں پیدا کرے -

(۴) اپنے مقرر کردہ سالار کے حکم کو چاہے وہ کتنا ہی تکلیف دہ ہو بلا حیل و حجت مانے -

(۵) اللہ اور اسلام کی راہ میں ہر وقت اپنا مال و جان حتیٰ کہ زن و فرزند کو قربان کرنے کی صلاحیت پیدا کرے -

(۶) وقت کی پابندی کرے -

(۷) خدا کے سوا کسی طاقت سے خوف نہ کھائے -

(۸) روئے زمین کی حکومت اور غلبہ پیش نظر ہو -

(۹) روحانی جذبات پیدا کرے، شیطانی اور نفسانی جذبات کچل دے

(۱۰) خدمت خلق کرے اور اس کی اجرت نہ لے۔

(۱۱) نماز قائم کرے اور باقی ارکان اسلامی پر مضبوطی کے ساتھ جما رہے

(۱۲) قطار میں کھڑا ہو کر اونچ نیچ کو عملاً برابر کرے۔

(۱۳) فوج کی طرح مارچ اور سپاہیانہ قواعد کرے۔

(۱۴) تمام غفلتوں اور سستیوں کو دور کرے۔

(۱۵) نبی صلعم کی سنت سمجھ کر بیلچہ کا اوزار اپنے پاس رکھے۔

(۱۶) خاکی وردی بنائے اور اس پر "اخوت" یعنی بھائی چارہ کا نشان لگا کرے

(۱۷) آپس میں جب ملیں فوجی سلام کریں۔

(۱۸) حتی الوسع خاکسار سے سودا لے۔

(۱۹) مذہبی عقیدوں کے متعلق بحث نہ کرے۔

(۲۰) سیاسی عقیدوں کے متعلق بحث نہ ہو۔

(۲۱) ہر شخص کو ایک ہی لڑی میں پروئے جانے کی بہ موقع پر تبلیغ کرے۔

(۲۲) خاموشی اختیار کرے۔

(۲۳) سننے اور کرنے والا ہو کہنے اور نہ کرنے والا نہ بنے۔

(۲۴) قوم کے ہر شخص کو مرکزی اجتماع میں شامل ہونے کے لئے عملاً تیار کرے

خاکسار تحریک کے چودہ نکات

۱ ہم خاکسار نسل انسانی کے تمام فرقہ وارانہ جذبات، اور مذہبی تعصبات کو اپنے نیک اور نفع رساں عمل سے کچل کر (لیکن مذہب کو برقرار رکھ کر) ایک مساوی غیر متعصبانہ، رواداراپنہ مگر غالب نظام پیدا کرنے والے ہیں جس میں سب اقوام سے بیجا سلوک، اور ان کی بیجا پرورش ہو اور جس کی بنیاد سعی وعمل اور بے پناہ عدل پر ہو۔

۲ خاکسار سپاہی ہر قوم ہندو، مسلم، سکھ، پارسی، عیسائی، یہودی اور اچھوت وغیرہ کے مذہبی اور معاشرتی جذبات کا احترام اس کے مخصوص تمدن (کلچر) اور روایات کے قیام اور عام رواداری کے لئے کھڑا ہے اور اس طرز عمل کو ہندوستان میں ایک ہزار سال تک حکومت قائم رہنے کا راز یقین کرتا ہے۔

۳ خاکسار سپاہی ہر قوم کو ان کے جائز شہری حقوق دلانا اور ان کے داخلی اور خارجی مفاد کی حفاظت کرنا اپنی تنظیم کا پہلا فرض سمجھتا ہے۔ خاکسار سپاہی تالیف قلوب کو مدنظر رکھ کر ہر قوم کو اپنا حلیف اور رفیق تسلیم کرنے کے لئے تیار ہے اور ان کو

ایسا بننے کی دعوت دیتا ہے۔

۴ خاکسار سپاہی کو یقین ہے کہ وہ دنیا میں صرف اپنے نیک سلوک اور صاف معاملات سے ہر قوم اور ہر شخص پر غالب آسکتا ہے کسی اور طریقہ سے نہیں یہ اخلاقی بزرگیاں کم و بیش ہر مذہبی کتاب میں مشترکہ طور پر موجود ہیں۔

۵ خاکسار سپاہی قوم کی اقتصادی حالت کو درست کرنے کے لئے ہر خاکسار کی تجارت کو بڑھانا اپنا فرض سمجھتا ہے خواہ اس میں کتنی ہی تکلیف کیوں نہ کرنی پڑے۔ وہ یقین رکھتا ہے کہ اس کے بغیر قوم منزل تک نہیں پہنچ سکتی۔

۶ خاکسار سپاہی کا نصب العین روئے زمین کی بادشاہت اور اپنے نیک عمل کے ذریعہ سے قوم کا اختماعی اور سیاسی غلبہ ہے۔

۷ خاکسار سپاہی مسلمانوں کے کسی فرقہ کے عقائد کو نہیں چھیڑتا اس اعتقادی آزادی کو ہر مسلمان کا مذہبی حق سمجھتا ہے لیکن سب فرقوں میں اتحاد عمل پیدا کرنے کے لئے کھڑا ہوا ہے۔

۸ خاکسار سپاہی قرآن حکیم اور دیگر مقدس کتابوں، حدیث شریف کے ہر رائج حصہ پر عمل کرنا ہر شخص کا مذہبی حق سمجھتا ہے۔ اور ان کو حکومت وقت کی قانونی یا سیاسی گرفت سے آزاد کرانے کے لئے

خاکسار سپاہی کو یقین ہے کہ اس سے کم کام کرنے والا تحریک کو غلبے کی منزل تک نہیں پہنچا سکتا اور نہ اس کا معاون ہونا مفید ہے

۲۳ ہم خاکسار قوم کو نقصان پہنچانے والے یا قوم سے نفع اٹھانے والے غدار لیڈروں، لٹیروں اور دشمن کے تنخواہ داروں، خلافِ قوم ایڈیٹروں اور اخباروں کے غلط پروپگنڈا کرنے والے شخصوں، دشمن سے ملے ہوتے منافقوں، ہندوستان کے مختلف اقوام یا مسلمانوں کے مختلف فرقوں یا انجمنوں یا گروہوں میں منافرت پھیلانے والے شریروں کے خواہ وہ کسی قوم و مذہب سے ہوں دشمن ہیں اور ان سے انتہائی مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں خواہ اس ضمن میں ہمیں انتہائی قربانی کرنی پڑے۔

اسلام اور موجودہ مسلمان کے بارے میں علامہ مرحوم کے موقف کا اندازہ ان کی تحریرات کے مندرجہ ذیل اقتباسات سے کیا جا سکتا ہے:-

احساسِ زیاں کی پکار

"اے پسماندگانِ قرونِ اول کے گروہ جو آج پابندیٔ شریعت کے مدعی ہو کر مبتلائے افتراق ہو اور دورِ حاضر میں "مسلمین و مومنین" کے نام سے یاد کئے جاتے ہو جنہیں سلفِ صالحین کے اتباع کا گمان ہے۔ اور

[illegible]

اسلام — غلبہ و قوت کا سرچشمہ

"مسلمانو! غور کرو۔ دینِ اسلام وہی ہے جو پیغمبر خدا آسمان سے لائے تھے۔ اس کے سوا کوئی دین اسلام نہیں۔ اس دین پر چلنے کا نتیجہ یہ تھا کہ چند برس کے اندر اندر عاجز اور بیکس مسلمانوں نے مکہ فتح کر لیا۔ اور رسولِ خدا صلعم کے بعد خلفائے راشدین روئے زمین کے بہت بڑے حصے پر اپنے دست و بازو کے زور پر چھا گئے۔ آج جو اسلام یہ زور پیدا نہ کرے اسلام نہیں۔ غور کرو کہ قرونِ اولیٰ کے اسلام کا یہ نتیجہ کیوں تھا۔ یہ اس لیے کہ قرآن کا ہر حکم اور ہر امر و نہی اسی بے پناہ طاقت کے پیدا کرنے کے لئے تھا۔ مسلمانوں کو جو لوائے محمدؐ کے تحت جمع ہوئے تھے، اسی غالب ہونے کے دستور العمل سے آشنا کرنا تھا.......... الغرض قرآن کے جس حکم کو لو گے اس میں جماعتی قوت کا اصلی اور سچا رنگ نظر آئے گا۔ قرآنِ حکیم کی ایک ایک آیت اسی نکتے کی طرف جا رہی ہے اس کا بیّن اور روشن ثبوت یہ ہے کہ رسول خدا صلعم صحابہ کرامؓ خلفائے راشدین، تابعین اور تبع تابعین سب کا قرآن پر عمل اسی جنگی اور اور جماعتی نکتے پر آکر ختم ہوا۔ اس اسلام میں نہ فرقہ بازی تھی نہ تصوف کا موجودہ رنگ۔ نہ کونوں میں بیٹھ کر نری تسبیح خوانی نہ نری دعائیں اور نرے

ورد و ظیفے نہ سطحی نمازیں نہ آیتوں پر سر پھٹول"۔

۲۵ر اگست ۱۸۸۰ء کو امرتسر کے ایک ممتاز خاندان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد خان عطا محمد خان امرتسر کے رؤسا اور بلند مرتبت شخصیتوں میں سے تھے۔ آپ نے صرف ۱۶ سال کی عمر میں علم ریاضی میں بی۔ اے کا امتحان سارے پنجاب میں اول پوزیشن حاصل کر کے مسلمانوں کے تئیں یہ طعنہ کہ علم ریاضی سے ناواقف ہیں رد کیا۔

انگلستان کے کیمبرج یونیورسٹی کے کرائسٹ کالج میں داخلہ لیا اور ایم اے کی ڈگری اول پوزیشن حاصل کر کے پاس کیا۔ اور فاؤنڈیشن سکالر کہلائے۔ علم ریاضی میں ٹرائی پوز یعنی آنرز کی ڈگری تین سال کے بجائے دو سال میں حاصل کی۔ اور رینگلر کا خطاب سے نوازے گئے۔ علوم شرقیہ میں آپ نے آنرز کی ڈگری لی اور اول پوزیشن حاصل کی۔ انجینئرنگ میں علامہ مرحوم نے آنرز کی ڈگری حاصل کی۔ تعلیم سے فراغت پاکر آپ کو ہندوستان کی کئی ریاستوں کے سربراہوں نے وزارت عظمیٰ کا عہدہ پیش کیا مگر آپ نے قبول کرنے سے انکار کیا۔ رموز مملکت سے عملی واقفیت حاصل کرنے کے لئے آپ نے وائسرائے کے دفتر میں انڈر سیکریٹری

کا عہدہ قبول کیا۔

۱۹۲۲ء میں شہرۂ آفاق کتاب "تذکرہ" شایع کی۔ سنہ ۱۹۳۱ء میں آپ نے خاکسار تحریک کا آغاز کیا۔ کئی بار آپ کو قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں۔ ہندوستان کی تقسیم سے بہت پہلے موصوف کے والدین نے سکونت تبدیل کر کے لاہور میں آباد ہوئے۔ پاکستان میں آپ کی زندگی کا کافی عرصہ زنداں کی نذر ہوا۔ ۲۷ اگست ۱۹۶۳ء کو آپ داعیِ اجل کو لبیک کہتے ہوئے اس جہانِ تنگ و دَو سے رخصت ہوئے علامہ مرحوم نے تحریک خاکسار کو منظم کرتے ہوئے جہاں اسلامی خلافت کے قیام کی زبردست جدوجہد کی وہاں انہوں نے تحریکِ آزادیٔ ہند کی بھرپور امداد کی۔ آپ متحدہ ہندوستان کی آزادی کے خواہاں تھے۔ خاکسار تحریک اور آزادیٔ ہند کے سلسلے میں سینکڑوں پمفلٹوں اور تحریر خطبات کے علاوہ آپ نے حسب ذیل کتابیں تصنیف کیں۔

۱- تذکرہ — دس جلد

۲- خریطہ — ایک جلد

۳- خطابِ مصر

۴- اشارات — ایک جلد

۵-	قول فیصل	ایک جلد
۶-	مقالات	ایک جلد
۷-	مولوی کا غلط مذہب	ایک جلد
۸-	حریم غیب	ایک جلد
۹-	دو الباب	ایک جلد
۱۰-	حدیث القرآن	ایک جلد
۱۱-	ارمغانِ حکیم	ایک جلد
۱۲-	تکملہ	دو جلد
۱۳-	سیاہ کار لیڈر	ایک جلد
۱۴-	علم القرآن	ایک جلد
۱۵-	قرآن الارض	ایک جلد

اگرچہ علّامہ مرحوم نظریۂ اسلام کو الٰہی نظریہ سمجھ کر تمام عالم پر غالب کرنے کے جدوجہد میں مصروف تھے اور اسی مقصد کے لئے انہوں نے اپنا تن من، اور دھن وقف کیا تھا مگر وطنِ عزیز برصغیر ہند و پاک کو انگریزوں کی غلامی سے نجات دلانے کے بھی وہ متمنی تھے۔ غلاموں کو آزاد کرنا علّامہ

کی نظر میں مقدس فریضہ تھا۔ آپ نے برصغیر میں چلنے والی ان تمام سیاسی تحریکوں کا ساتھ دیا جو متحدہ ہندوستان کو آزاد کرنے کے درپے تھے۔ وہ ہندوستان کی تقسیم کے شدت سے مخالف تھے۔ ان کی نگاہ میں اسلام تمام بنی نوع انسان کو ایک وحدت میں منظم ہو کر امن و آشتی کی زندگی گزارنے کا نظریہ تھا۔ علامہ انگریزوں کی تقسیم کرو اور حکومت کرو کی پالیسی سے اچھی طرح باخبر تھے وہ جانتے تھے کہ برصغیر کے عوام اگر آپس میں لڑتے رہے تو ان کی غلامی کے دن طویل ہوتے جائیں گے۔ علامہ مرحوم برصغیر کو انگریزوں کی غلامی سے بزور طاقت آزاد کرنے میں یقین رکھتے تھے۔ انہوں نے کئی بار واشگاف الفاظ میں اعلان کیا کہ وہ آزادی جو طاقت کے زور سے حاصل نہیں ہوگی ہرگز صحیح معنوں میں آزادی نہیں ہوگی۔ بلکہ ایسی آزادی جو عدم تشدد اور سمجھوتے سے حاصل کی جائے گی برصغیر کے عوام کے لئے بربادی کا پیش خیمہ ہوگی۔

علامہ مرحوم نے بانی پاکستان محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ پر ایک خط میں صاف الفاظ میں واضح کیا تھا کہ پاکستان کے مطالبے کو ہندوستان کی مجموعی آزادی کی ایک کڑی کے طور آزادی کی جدوجہد کا

ہیں شامل کرنا چاہتے - اور پاکستان کے حصول کے لئے مہاتما گاندھی سے اشتراک کیا جائے - خط کا متن یوں ہے :

از اچھرہ لاہور ۹ ستمبر ۱۹۴۶ء

میرے پیارے جناح - السلام علیکم ورحمتہ اللہ

عید الفطر کے موقع پر میں نے جناب والا کی اپیل پڑھی ہے جس میں آپ خاکساروں کو کہتے ہیں کہ وہ اس نازک موقع پر مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں - مجھے چند دیگر مسلم لیگی اصحاب نے بھی ایسی اپیلیں کی ہیں

میں حکومت سے کافی طور پر واقف ہوں اور اگر سچ پوچھیں تو مجھے یقین ہو چکا ہے کہ بے خبری میں یا جان بوجھ کر انگریز آپ کو اور ہندوستان کے مسلمانوں کو ہندوستان کی آزادی کے خلاف استعمال کر رہے ہیں - مجھے اس اطمینان پر بھی کوئی اعتبار نہیں جو مسٹر گاندھی یا کانگریس کو عبوری حکومت میں شامل ہونے سے ہو رہا ہے -

اس بناء پر اگر آپ مجھے یقین کرا دیں کہ آپ کی منشا پاکستان کو تمام ہندوستان کی آزادی کے ایک حصے کے طور پر حاصل کرنا ہے - اور آپ انگریزوں کی تجویز کے مقابلے میں اس صاف اور واضح بناء پر

مسٹر گاندھی کے ساتھ کام کریں گے۔ تو میں خاکسار تحریک کی تمام طاقت کو آپ کے ساتھ شامل کر دوں گا۔ اور ہم ہزاروں کی تعداد میں جانیں دیدیں گے۔ میں اس بات کا بھی یقین کرتا ہوں کہ ہندو نیز کانگرس بھی پاکستان کی حمایت کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ اگر آپ انگریزوں کے ساتھ ہندوستان چھیننے پر صاف طور پر متفق ہوں۔ اس حالت میں میں آخری دم تک خوشی سے آپ کے دوش بدوش کام کروں گا۔

اگر اس صاف شرط پر آپ کام کرنے کے لئے متفق نہ ہوں تو مہربانی کر کے آئندہ ان جھوٹی اپیلوں کے ذریعہ سے خاکساروں کو بدنام نہ کریں۔ کیونکہ ہم نے ارادہ کر لیا ہے کہ پھر ہم اپنی قسمت کا فیصلہ آپ ہی کریں گے۔ میں آپ کے جواب کا شوق سے منتظر رہوں گا۔

انتہائی عمدہ خواہشات کے ساتھ میں ہوں آپ کا سچا دوست

عنایت اللہ خان

علامہ مرحوم نے قرآن کی روشنی میں بنی نوع انسان کو ایک ہی امت قرار دیتے ہوئے انسان کو امت واحدہ بن کر رہنے کا پیغام دیا ہے اس کا اندازہ اس پیش لفظ خط سے ہو سکتا ہے جو انہوں نے ایک مضمون بہ عنوان "MAN'S DESTINY" دنیا کے مقتدر سائنسدانوں کو بھیجا تھا۔

As a STUDENT OF THE UNFATHOMED AND INFINITE UNIVERSE (PUT BEFORE, OR RATHER, INFLICTED ON MAN FOR OBSERVATION) I ADDRESS YOU IN THE EXPECTATION THAT YOU, AS ONE THE MANY THOUSAND KNOWERS OF NATURE ADDRESSED BY ME ALL THE WORLD OVER, WILL GIVE A LEAD IN THE SOLUTION OF FUNDAMENTAL HUMAN PROBLEMS NOW PERPLEXING ALL. THIS PERPLEXITY HAS ARISEN MORE NOW, AS HUMAN MIND AFTER THE DEVELOPMENT OF THE PAST FEW CENTURIES, INSISTS TO KNOW THE PURPOSE OF CREATION, WHICH MAN SO FOR HAD NOT CARED TO DISCUSS OR DISCOUR THROUGH STOLID OR INNOCENT INDIFFERENCE. MIND WISHES TO COME TO SOLID CONCLUSIONS IN THIS RESPECT IN ORDER THAT THE PROGRESS OF THE KNOWLEDGE OF NATURE BE MADE WITH A DEFINITE AIM WHICH WOULD SCIENTIFICALLY SATISFY AND WOULD PROVE AN INCENTIVE TO MAN FOR WORK.

It IS TIME THAT KNOWERS OF NATURE COME TO TENTATIVE BUT FIRM CONCLUSIONS IN THIS RESPECT IN ORDER THAT A NEW IMPETUS BE GIVEN TO THE MARCH OF KNOWLEDGE

WHICH IS DEFINITELY IMPERFACT AT PRESENT. YOUR REPLY WILL HELP TO CREATE AN UNPARALLELED IN THE HISTORY OF HUMAN PROGRESS AND IS LIKELY TO RESULT IN A WORLD CONFERENCE OF SCIENTISTS IN THE NEAR FUTURE AT A SUITABLE PLACE IN EUROPE OR AMERICA SO THAT HIS CONFERENCE MAY ANNOUNCE AND WORK FOR A WORLD-IDEOLOGY LEADING MAN FIRMLY TO THIS ULTIMATE DESTINY.

I HAVE STRONG INDICATIONS THAT THIS CONFERECE MAY TAKE AN EARLY SHAPE IN CASE YOU ALSO AGREE THAT SUCH A COURSE IS CALLED FOR. MY EXPOSITIONS ARE PUT OVERLEAF. I EXPECT VOUR REPLY EARLY.

I SHALL GLADLY SUPPLY COPIES OF THIS LETTER, IF REQUIRED.

ALLAMA MASHRIQI

اس میں شک نہیں کہ علم کی مذہب کی طرف سے یہ تمام بے رخی اس کے دائرہ
تدقیق سے خارج ہونے کے عام تفتیش کی وجہ سے ہے۔ اگرچہ یہ امر روز روشن
کی طرح عیاں ہے کہ دنیا کی ہمعصر اُمت ہر زمانے میں اپنے

پیشوا کی دی ہوئی تعلیم کو اس قدر برحق، اس قدر مدلّل، اس قدر رسا، اور بہ لحاظ نتائج اس قدر نفع مند، روشن اور بیّن یقین کرتی رہی ہے کہ آفتاب کی کرنیں اور مہتاب کی شعاعیں بھی اس کے بالمقابل وہ نور و ضیا نہیں رکھتی نہیں، اور انسانی سعی و عمل کا دستور بھی روزِ اوّل سے یہی رہا ہے کہ کوئی شخص کسی امر کے متعلق ذہنی قدم اٹھانا گوارا نہیں کرتا جب تک اس ذہنی قدم اٹھانے کی دلیل شمس و قمر کی طرح سامنے موجود نہ ہو اور نتائج عین الیقین سے نہ دیکھ لیے جائیں، تاہم مذہب کی حقیقت کو مسخ کرنے والی ناشناس اور نا اہل، بے عمل اور جمود زدہ خوائف امتوں کا عقیدہ اکثر یہی رہا ہے کہ مذہب کے بتائے ہوئے اصول کسی دلیل کے متحمل نہیں، ان میں استدلال کرنا، یا عقل کو دوڑانا شرعاً ناجائز ہے، اس کی سب باتیں مابعد الطبیعی اور مافوق الدلیل ہیں۔ اس کے متعلق تدبر کرنا الحاد و کفر ہے یہی خیال کسی نہ کسی رنگ میں حکمائے مغرب کو بھی تحقیق مذہب سے باز رکھتا رہا ہے اگرچہ اس سے باز رہنے کی وجہ یہ اوپری دلیل اور اعتقادی شانِ حتمانہ ہو۔ لیکن امور کے علاوہ جو اہم مشکلات اس راہ میں عصرِ جدید کے وارثین علم کو پیش آتی رہی ہیں، یہ ہیں کہ ان کے پاس حتماً کوئی ایسی آسمانی کتاب موجود نہ تھی جو انسانی تصرف اور تبدل سے کامل طور پر محفوظ رہی ہو۔ توراۃ، زبور، انجیل سب کی سب،

موجودہ حالت میں اپنی اصل زبانوں سے ترجمہ شدہ ہیں حتیٰ کہ ان کے اصل نسخوں کے متعلق یہ بھی معلوم نہیں رہا کہ وہ کس زبان میں تھے، اور مطالب کا وہ ناقابل درک گمشدہ جو ترجمے اور بالخصوص لفظی ترجموں سے پیدا ہو جاتا ہے منشائے وحی کی صحیح اصلیت تک پہونچنے میں سدِ سکندری کا حکم رکھتا ہے۔ ایک تو فنِ تحریر بجائے خود کسی شخص کے حقیقی خیالات اور ان کے صحیح کیف کو ادا کرنے کا از بس ناقص اور نامکمل مظہر ہے اور نبی کی آسمان سے لائی ہوئی وحی بسا اوقات امر و نہی کے صحیح کیف و حال کو ادا کرنے میں اسی وقت ادھوری رہ گئی ہے جب اس لرزہ فگن انکشاف کو لوگوں کی عام ہدایت کے لئے معرض تحریر میں لایا گیا ہے، لیکن بعد ازیں اگر اصلی مصنف کی وہ نقش مبین بھی انسانوں کی مدد سے ترجمہ در ترجمہ کر دی جائے تو حقیقت کے جس حجم و صغیر کا اس ترجمے میں باقی رہ جانا ممکن ہے، ظاہر ہے۔ اگر اور صحیفے بھی جنکی بابت انسان کا ادعا ہے کہ وہ آسمانی تھے ایسی تحول و تبدل میں نسیاً منسیاً ہو گئے، ان کے مطالب اور منفاعید تحرف ہو چکے ہیں، الفاظ بدل چکے ہیں، کتابت کی غلطیاں، مطالب کی نافہمیاں، ذاتی اغراض و مفاد، زمانے کی دستبرد وغیرہ وغیرہ سب کے سب ان کی اصلیت کو چھپانے میں مؤید ہوئے ہیں۔ روئے زمین کے آسمانی کتاب خانے میں بے دیکر حرف قرآن ہے جو سب انسانی تعرف سے محفوظ رہا ہے اس میں ایک حرف کے برابر کہیں تبدیلی نہیں ہوئی، الفاظ کی

ترتیب میں، آیتوں کے الفاظ میں، سورتوں کی آیتوں میں، یہ کتاب بعینہٖ وہی ہے جو پیغمبر آخرالزماںؐ نے دنیا کو دی۔ کوئی تساہل، کوئی کوتاہ نظری بد دیانتی یا غرض مندی اس کو پہلے دن سے نقل کرنے میں نہیں ہوئی، نہیں بلکہ اس کے ایک پرانے نسخے کے متعلق جدید انکشاف جو حال میں ہوا ہے اس نے حکماً اور علماً ثابت کر دیا ہے کہ یہ وہی ہے جو پہلے تھی، وہی ترتیب ہے جو ایک دفعہ مقرر ہو چکی تھی۔ وہی نقش ہے، وہی الفاظ ہیں، سینوں کے جوف میں ہے تو وہی ہے، اور کاغذ کے میدان پر ہے تو وہی ہے۔

علامہ مرحوم کو جہاں یہ شکایت رہی کہ علمائے ملت اسلامیہ نے قرآن مجید کو علم اور اصلاح کی کتاب ثابت کرنے میں بالعموم کوتاہی برت لی وہاں حکمائے مغرب سے "جنہوں نے علم الابدان سے باخبر ہوتے ہوئے بھی علم الادیان سے بے اعتنائی برت لی، یہ سخت شکایت تھی کہ وہ قرآن کو مذہب کی اساس قرار نہ دے سکے۔ اس ضمن میں علامہ مرحوم نے تحریر کیا کہ

"ایسی محفوظ اور مصئون کتاب کے مضامین سے مغربی حکیم اگر چاہتا تو بہت کچھ اخذ کر سکتا تھا۔ اس کو کم از کم ایک مذہب کی صحیح اساس قرار دے سکتا تھا، ایک مستقل اور قائم مذہب کی اصلیت تک پہنچ کر اس کو روزِ روشن کی طرح صحیح یا غلط ثابت کر سکتا تھا۔ اس سے فارغ ہو کر پھر ان ہی اصولوں پر اور مذاہب کو لے سکتا تھا اور اس طرح پر دنیا میں مذہب

کے سرِ عظیم کا پول کھول کر سب کو ایک حقیقت کبریٰ پر متفق العمل، یا ایک کذبِ عظیم سے متنفر کر سکتا تھا، جبر تفیل یا علمِ حساب کی طرح سب نزاعوں کو مٹا کر دنیا میں ایک عصبیت، ایک امت، ایک اخوت قائم کر سکتا تھا۔ نہیں بلکہ ابدالآباد تک مذاہب کے متعلق سب جھگڑے، سب جنگ و جدل، سب خونریزیاں سرے سے محو کر کے دنیا کا باوا آدم بدل سکتا تھا۔ اس طریق عمل سے مذاہب عالم کے شرعی رہنماؤں کا تعصّب بھی یک بیک بے اثر ہو جاتا، لوگ بے دلیل اور مضحکہ انگیز باتوں کو شدہ شدہ چھوڑ کر حقیقت کی طرف لپک لپک کر پہنچتے، اور علمی نظریات کی طرح ان کے غلط مذہب کا حامی بالآخر ایک باقی نہ رہتا اب بلا استثنائے احدے ایک مذہب اور ایک مسلک پر قائم ہو جاتے یا سب لامذہب بن کر ایک ہو جاتے لیکن بدقسمتی سے قرآن مغرب کیلئے روزِ اول سے ممنوعہ درخت کی مانند رہا، عیسائی پادریوں نے جن کو اس کے کارناموں سے خاص طور پر چڑ تھی، جن کی تبلیغی مساعی بلکہ بسا اوقات سیاسی منصوبوں کو اس نے خاص طور پر روک کر اکثر کو کالعدم کر دیا تھا اس کے کذب و افترا ہونے کے متعلق بے سروپا افسانے بنا لئے۔ انہوں نے مشہور کر دیا کہ قرآن بت پرستی کا بڑا مبلغ ہے "ماہونڈ" (یعنی محمدؐ) کو خدا کہتا ہے "اعوبا پیغمبر کے شانے پر ایک کبوتر بیٹھا رہا کرتا تھا۔ جس کے ذریعے سے

وہ شعبدہ بازیاں کیا کرتا تھا"! "اسلام نے عورتوں کو عام جائداد قرار دیا ہے۔ اب ہر شخص ان کی عصمت کا وارث ہے"! بعض زیادہ مکار اور ہوشمند اور معاملہ فہم دشمنوں نے اڑا دی کہ "محمدؐ کو صرع کی بیماری تھی جس کو وہ جبرئیل کی وحی قرار دیتا تھا"! "قرآن میں فاش تاریخی اغلاط موجود ہیں" "وہ ایک کتاب ہے جس کا ماخذ توراۃ اور انجیل ہے، اس کے سب افسانے یہودیوں کی غیر مستند روایات .... سے لئے گئے ہیں"! "وہ سرتاپا بے ربط ہے اور کسی جنون زدہ شخص کا کلام معلوم ہوتا ہے"! وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب الزامات اس نمط کے تھے کہ ان کے بعد کسی ہوشمند شخص کا اس کتاب کی طرف متوجہ ہونا ہی دُور از بحث تھا، ان نقائص کے ہوتے ہوئے اس کا خالص المتن ہونا یا تحریف لفظی سے محفوظ رہنا بھی کچھ قابلِ توجہ نہ ہو سکتا تھا۔ انگلستان کے ایک مشہور فلسفی (کارلائل) نے بالآخر اس کذب و افترا پر سے نقاب الٹا، ان الزامات کو مسیحی پادریوں کی صریح بدمعاشی قرار دیکر عیسائیت کو قرآن اور پیغمبر قرآن کے متعلق غلط نشر و تبلیغ کرنے کی شرم دلائی، عرب کے آخری پیغمبرؐ کو بطل انبیاءؑ کا خطاب دے کر اس کی اولوالعزمیوں کو سراہا، اس کو خدا کی طرف سے سچے نبی ہونے کی سند اپنے زعم میں اپنی طرف سے دی، مگر مذہبی تعصب اور تجرد کا اثر اس علم و شہادت کے زمانے میں انسان کے رگ رگ و ریشے

میں اس قدر سرایت کر چکا ہے کہ اس فلسفی نے بھی عرب رسولؐ کی بحث کے ضمن میں تمہید کے طور پر یہ کہہ دیا کہ "ہم نے اس پیغمبر کو بطل انبیا کے طور پر بالخصوص اس لئے منتخب کیا ہے کہ ہم اس کے حسن و قبیح پر (گویا بالمقابل عیسیٰ علیہ السلام کے) زیادہ آزادانہ طور پر بحث کر سکیں گے، اور یوں تو ہم میں سے کسی شخص کے عیسائیت کو چھوڑ کر مسلمان بن جانے کا امکان نہیں"۔ اس اقرار نما انکاری حالت میں ظاہر ہے کہ کسی بڑی سے بڑی مدح سرائی کا کیا اثر ہو سکتا تھا، لوگ اس کو علم و ادب کے فکاہات کا ایک مثل سمجھ کر خاموش ہو گئے البتہ چند ایک اہم الزامات کی دشمن کی اپنے منہ سے تردید ہو گئی اور مسئلہ رفع دفع ہو گیا"

اپنی کتاب "تذکرہ" کے دیباچے میں قرآن حکیم کو کامل تر، واضح تر اور صحیح تر آسمانی کتاب قرار دیتے ہوئے علامہ مرحوم نے تحریر کیا ہے کہ:-

"مجھے یقین ہو چکا ہے کہ اس قانون خدا اور امر رب العلمین کی حقیقت تک بتمال و کمال پہونچنے کے لئے قرآن حکیم سے بہتر کامل تر، واضح تر اور صحیح تر آسمانی کتاب اس دنیا میں کہیں موجود نہیں، سب آسمانی صحیفے اپنے وقت نزول سے آج تک کم و بیش لفظی تحریف کا شکار ہو چکے ہیں - ان میں سے اکثر کے الفاظ وحی روئے زمین سے کلیتہً ناپید ہیں، اکثر میں مرور وقت کے باعث رد و بدل وارد ہو چکا ہے حتیٰ کہ خود حاملان وحی کو اس حقیقت

کا اعتراف ہے، لیکن لفظی تحریف کا گناہ عظیم انسان نے کم از کم اس کتاب کے بارے میں ختما نہیں کیا۔ قرآن حکیم کے مطالب اور مقاصد میں اگرچہ بعید معنوی تحریف ہو چکی ہے، اس کا اصلی اور نبوی منشا جہلا اور علما کی منفقہ تاویل کے باعث اکثر خبط ہو گیا ہے۔ اس کے معانی پر بعید شرعی اور فقہی غلاف پڑ چکے ہیں، اس کے کسی ایک امر مبہم کا الٰہی مفہوم صحیح طور پر مسلمانانِ عالم کے ذہنوں میں باقی نہیں رہا، اس کے اوامر و نواہی پر اعتقاد آج صرف اقوال اور افواہ تک محدود رہ گیا ہے، اس کو لوگ جو کچھ مان رہے ہیں مونہوں اور لفظوں، پھونکوں اور استخاروں سے مان رہے ہیں۔ لیکن اس کے الفاظ بعینہٖ اور باصلہ موجود ہیں۔ انسان کا بڑے سے بڑا فریب بھی اب ان کو بدل نہیں سکتا۔ ان کی کچھ کتر بیونت نہیں کر سکتا۔ تحقیق کیلئے اس کتاب کا روئے زمین پر موجود ہونا ایک غیر مترقبہ نعمت اس لئے ہے کہ صحف آسمانی کے اضافی مطالعے میں قرآن حکیم کے الفاظ اور تحقیق شدہ مطالب کی راہنمائی اصحیح منشاء خدا کیطرف سچی راہنمائی ہے۔ جہاں اور سب کتب آسمانی اپنی موجودہ حالت میں کسی ایک امر کے بارے میں کوئی حکمی فیصلہ نہیں کر سکتیں، وہاں قرآن اور اس امر کے متعلق اپنا قطعی اور آسمانی فیصلہ دے سکتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ جو مشترک باتیں آسمانی صحائف میں اس وقت پائی جاتی ہیں، اور جن کا وجود اس آخری کتاب سے بھی ثابت ہے، ان سب کا قرآن صحیح معنوں میں مصدق

بن جاتا ہے۔ اس مقام نظر سے اگر کسی مزعومہ آسمانی کتاب کے اکثر مضامین اور قرآن کے مابین کوئی مابہ الاشتراک ثابت ہو گیا ہے تو اس مزعومہ کتاب کا اس کے اپنے عہد نزول میں منجانب اللہ ہونا بھی متحقق ہے۔ الغرض مذہب کو علم کے بلند درجے تک پہنچانے کے لئے یہ گوہر نایاب از بس بے بہا اور گراں مایہ ہے۔ طالب حقیقت کی انتہائی خوش قسمتی ہے کہ ان کے پاس کم از کم ایک ایسی کتاب موجود ہے جس کو خدا کے ہاں سے براہ راست ہونے کا ادعا ہے۔ اور جو آپ نا محرف اور بے غل و غش خالص ہے! اس کا کام اب صرف اتنا ہے کہ اس کو علم کی کسوٹی پر کما حقہ پرکھ کر صحت ثابت کر دے یا اگر وہ اس محک پر پوری نہیں اتر سکتی تو اس کا ناقص عیار ہونا علی الاعلان ثابت کر کے دنیا کو مذہب کے "فریب عظیم" سے یکسر نجات دلوا دے!"

علامہ عنایت اللہ المشرقی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف تھا کہ قرآن حکیم کے آیات واحد المعانی اور متوافق المطالب ہیں۔ انہوں نے اپنی تصنیف "تذکرہ" میں قرآن حکیم کے بارے میں اپنے یقین اور علم کا اعلان کرتے ہوئے تحریر کیا کہ:-

"کسی قانون کے شایان شان یہی ہے کہ واحد المعانی ہو، متوافق المطالب ہو، اس کی کسی ایک دفعہ سے ایک اور صرف ایک مطلب نکل سکتا ہو، اس میں تاویل اور مکر کی گنجائش قطعاً نہ ہو، اس کو جس صورت اور نظر سے دیکھا جائے اسی ایک پہلو پر ٹھیک بیٹھ سکے ورنہ وہ قانون قانون نہیں مجسمہ فساد ہے

محشرستانِ اختلاف ہے، کشت زارِ نزاع ہے، قانون میں تاویل کا ممکن ہونا اتحادِ عمل کو توڑ دیتا ہے، لوگ اپنی اپنی پسند کے پروانوں کو لے کر مست ہو جاتے ہیں، لمبی تان کر سو رہتے ہیں یا ایک دوسرے کے خلاف علم نصب کر لیتے ہیں پھر بعینہٖ وہ مطلب جو اجرائے قانون سے پیشِ نظر ہوتا ہے۔ یکسر خبط ہو جاتا ہے اور وہ بیکر و بر یا کسی معنوں میں قانون نہیں رہتا۔ رعیت کے کسی فریق نے آج تک حکومتِ وقت کے بنائے ہوئے قانون کی تاویل نہیں کی، کوئی انجمن اس غرض سے منعقد نہیں ہوئی کہ اپنے ملک کی کتاب تعزیرات یا اس کے نظام نامے کی کسی دفعہ کو لے کر اس کے آسان اور حسبِ پسند معانی تجویز کرے اور اس طرح پر بادشاہِ وقت کو اپنا ہم آہنگ کر سکے ایسے ستم ظریف گروہ کی مثال سادہ لوح کبوتر کی ہے جو بلی کو آتے ہوئے دیکھ کر آنکھیں میچ لیتا ہے اور چند لمحے آرام کے گزار کر موت کے منہ میں جا پڑتا ہے! ہر منظم اور متمدن حکومت کا قانون اصلاً ایک ناقابلِ تاویل شے ہے، اس کا صحیح اور واحد مدعا خود اسی کے الفاظ کے اندر ہے، اس کے متعلق اور شرح طلب اصطلاحوں کی تشریح وہیں موجود ہے، کسی شخص کے ذاتی قیاس یا رائے کو اس کی تبیین میں قطعاً کچھ دخل نہیں! گناہ کی نوعیت ہے تو وہیں لکھی ہے، فردِ جرم ہے تو وہیں لکھی ہے، سزا ہے تو وہیں لکھی ہے۔ مجرم اس سزا سے گریز کرنے یا اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنے کی ایک لاکھ سبیلیں

پیدا کرے لیکن حاکمِ وقت کے فیصلے پر اس کی تاویلوں کا کچھ اثر نہیں ہوتا، کوئی وکیل یا پیروکار اس امر کا مجاز نہیں ہو سکتا کہ مجرم کو بچانے کے لئے نفسِ قانون کے معانی بدل دے یا اس کا مقصود اور پیشِ نظر اپنے منشا کے مطابق تسلیم کرائے اگر شہادت اور حالات سے ثابت ہے کہ جرم ہو چکا ہے تو سزا اٹل ہے۔ اس کو اپنی ہوئی نہ سمجھنا یا اس کے بارے میں عبث امید یا اور لا طائل بکر کرنا جہالت ہے۔ پس قانونِ خدا میں وتشریح میں نہ کوئی اجماعِ امت مفید ہو سکتا ہے، نہ ذاتی قیاس و رائے، نہ تاویل سے کام چل سکتا ہے نہ علمائے قانون کے انفرادی یا متفقہ فتادے مفید ہیں۔ وہ بذاتِ خود اس قدر محکم، اس قدر اٹل، اس قدر ناقابلِ بدل اور ناممکن التحریف شے ہونی چاہئے کہ فاطرِ زمین و آسمان بھی اس کو بدلتا نہ چاہے۔ وہ اس کی مشیت کے عین مطابق اس قدر ہو کہ اس میں تبدیلی محال ہو، اس قدر سوچ بچار کے بعد نافذ کیا گیا ہو کہ اس پر نظرِ ثانی یا تنسیخ کی ضرورت نہ پیدا ہو، اس قدر مقرر اور متعین شے ہو کہ اس میں گھٹا اور بڑھاؤ کی گنجائش باقی نہ رہی ہو، اس قدر منطابق اور متوافق ہو کہ سب کا سب ایک ہی مقصد اور منتہا کی طرف جا رہا ہو، سب نسلِ انسانی کے لئے ایک ہو، سب کا سب ایک صراطِ مستقیم کی طرف اشارہ کرتا ہو۔ اگر قانون بلحاظِ الحقیقت قانونِ خدا ہے تو اس میں ان خاصیات کا ہونا لازمی امر ہے

لیکن اگر وہ تاویل کے تابع ہے یا کھینچ تان قبول کر سکتا ہے یا حسب مطلب
اور حسب پسند قانون بن سکتا ہے یا کبھی ایک صراط مستقیم کی طرف
اشارہ کر رہا ہے۔ اس سے کئی مفاہیم مستنبط ہو سکتے ہیں، کبھی طرق عمل
وضع ہو سکتے ہیں، اور کئی فرقے بنا سکتے ہیں تو اس تبدیل شدہ صورت
کو قانون خدا کہنا حقیقت کا منہ چڑانا ہے۔ سچائی اصلاً ایک شے ہے
اس کا مطمح نظر اصلاً اتحاد ہے، وہ لوگوں کو ایک مشترک اساس اور ایک
سطح عمل پر جمع کرنے کے لئے آئی ہے اور یہی سچا اور دائمی اجماع ہے
اور اگر کسی قوم کی طرف کسی پیغامبر کا لایا ہوا قانون سچا ہے تو فرقہ
بندی اور انتشار کا ہونا محال ہے۔

علامہ مرحوم کا موقف یہ ہے کہ قرآن حکیم میں محکمات کے زمرے میں آیات
بینات اور متشابہات کے عنوان سے آیات بینات دونوں کتاب المبین کی آیات
ہیں "کتاب المبین" کی آیات ہیں اور آیات عقلیہ ہیں۔ انہوں نے علمی دلائل سے
ثابت کر دیا ہے کہ آیات متشابہات اگرچہ بادی النظر میں سمجھ نہ آنے والی ہیں مگر مسلسل
تجسس اور تدبر سے قابل فہم آیات ہیں اس لئے انسانی عقل ایک نہ ایک دن ان
آیات متشابہات کو سمجھ پائیگی اور یہ آیات بھی محکمات میں شامل ہو جائیں گی اس
لیے علامہ مرحوم قرآن کے قانون کو اساس سمجھتے ہیں اگر ایک پائیدار اتحاد اور یقین عطا
[illegible]

سے قرآن حکیم کو مجموعی طور اور کامل طور عالم انسانیت کے لیئے مکمل رہبر کتاب ثابت کرے۔ وہ فرماتے ہیں کہ

"یہی باعث ہے کہ قرآن حکیم نے اپنی آیات کے اندر ایک اصولی تمیز محکمات اور متشابہات کے الفاظ کہہ کر قائم کر دی ہے لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ کہہ کر اس نے گویا یہ کہہ دیا ہے کہ اس کے ہر کلمے کا واحد نا قابل تاویل اور اٹل مطلب ہے۔ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا کہہ کر اس نے اعلان کر دیا ہے کہ جب تک زمین و آسمان موجود ہیں۔ یہ قانون قائم اور دائم جاری اور ساری رہے گا۔ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ اور اَلْكِتٰبَ مُفَصَّلًا اور يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ اور تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ اور تَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ کہہ کر اس نے یہ طے کر دیا ہے کہ اس کتاب کو مفصل، آسان اور مکمل ثابت کر دینا علم اور صرف علم کا کام ہے۔ جوں جوں اعمالِ خدا کا علم اور کائناتِ فطرت کا مشاہدہ وسیع ہوتا جائے گا۔ جوں جوں کوئی صاحب علم قوم اس کے حقائق عالیہ پر غور کریگی اس تعلیم بیّن اور مشرح ہوتی جائے گی، لیکن بہ ایں ہمہ اس کے اندر ارتقائے علم کے مختلف منازل میں بعض آیات متشابہ المعانی رہیں گی ان سے بادی النظر میں مختلف مطالب نکل سکیں گے اور جب تک انسان کا علم ایک خاص سطح بلند تک نہ پہونچے گا ان کے صحیح مطالب اور صاحبِ القرآن کے ان کے متعلق صحیح عندیے کی تصدیق نہ ہو سکے گی،

کج بین اور نفاق پسند لوگ ان کے بارے میں اٹکلیں دوڑا دوڑا کر لوگوں کو آمادۂ خلاف کرتے رہیں گے، لیکن علم اعمال خداہیں راسخ لوگ ان کے متعلق اپنا عندیہ ظاہر کرتے سے اس وقت تک اعراض کریں گے جب تک کہ ان کو صحیح اور یقینی علم حاصل نہ ہو جائے۔ یہ ایسا آئیں محکم ہے اور واحد المعانی ہونے پر سچا اور غیر متزلزل یقین رکھنا ہر حال فرض ہے۔ اس یقین کے بعد ان کے صحیح مقاصد کی تلاش میں لگے رہنا عین ایمان ہے، ان کو سمجھنے اور ان کی وساطت سے نئے راہ عمل دریافت کرنے کی خاطر اپنے علم کو وسیع کرتے رہنا شرط اسلام ہے، وغیرہ وغیرہ۔ ایک معتد بہ حصہ اس قانون کا بالکل عیاں ہے، اس میں کسی تشریح کسی تاویل، کسی التوا، کسی مکر و فریب کی قطعاً گنجائش نہیں۔ یہ محکمات ہیں اور یہی اصل قانون ہے، اس کے ماسوا جو ہے فرع ہے۔ مگر اہم اور ضروری ہے۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ۚ وَ مَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَ مَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ

اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ
لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝
رَبَّنَا اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝ (آل عمران ۳)

قرآن حکیم کا اپنے بارے میں یہ حیرت انگیز اعلان فی الحقیقت اس امر کی بالواسطہ دلیل ہے کہ وہ سب کا سب واحد المعانی ہے۔ فاطر زمین و آسمان کا عندیہ اس کے ایک ایک حرف اور ایک ایک جملے کے متعلق ایک ہی ہے لا تبدیل لکلمٰت اللہ ہے۔ یہ فی الحقیقت انسانی علم کی کمی ہے جو اس کے مطالب کو مشکوک یا متعدد کر رہی ہے۔ ایک سلامت روی سے اس کے مطالب کی صحیح حفاظت اسی طرح ہو سکتی ہے کہ کسی ایک زمانے کی متشابہ آیات کو اپنے دائرہ بحث سے یکسر خارج کر دے لیکن اعمال خدا اور صحیفہ کائنات کے علم کو حتی الامکان وسیع کرتی رہے، پھر اگر علم کی وسعت سے یا عرش نور کے ذرّے اس قدر کھل گئے ہیں کہ وہ حقیقت جو الفاظ کے اندر چھپی بیٹھی تھی خود بخود عیاں ہو رہی ہے تو اسی علم و صداقت کے زور پر اس کو عالم شرح کر دے اور پھر مع اس کو نصاب میں داخل کر کے اس پر عمل پیرا ہو جائے۔ مثال کے طور پر اگر کسی زمانے کے حکماء کا ناقص علم فطرت سورج کے عظیم الشان کرّے کو زمین کے گرد [illegible] ساکن تصور کر رہا ہے حالانکہ قرآن حکیم

اس امر کے متعلق وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ (یٰس ۳۶) موجود ہے تو یہ آیت بلاشبہ اس زمانے کی متشابہات میں سے ہے اس کے متعلق کسی قسم کی تاویل کرنا قطعاً ناجائز ہے۔ علمائے فطرت کے تتبع میں یا ان کے دعاوی کو صحیح مان کر ردوبدل کرنا یا تحریف پیدا کرنا منافیِ دیانت ہے اسلامی امت کا فرض صرف اس قدر ہے کہ اس آیت کے صحیح مطالب کی تشریح سے بکسر اعراض کرے اور سورج کی کسی مستقر کی طرف حرکت کے بارے میں پیہم مشاہدے کرے، اس کے متعلق ناقابلِ انکار معلومات فراہم ہوں، اس منتہیٰ کی طرف قرنوں اور صدیوں تک لگی رہے شبانہ روز تجربے اور معائنے ہوا کریں، امت کے مختلف اور اہل گروہ اس حقیقت کو جانچ کرنے کے درپے ہو جائیں، یا اگر اس تحقیق کے ضمن میں اس آیت کے کوئی اور مطالب منکشف ہوں تو اپنی توجہ ادھر منعطف کر دیں، اگر جب تک سورج کی کسی مستقر کی طرف فضائی حرکت کے متعلق کوئی انکشاف نہ کریں جس کو بالآخر مغرب کے ایک حکیم "ہرشل" نے تمام عمر کے مسلسل مشاہدے کے بعد کیا، امت کے سر سے اس آیت کے بارے میں گراں فرض نہیں ٹل سکتا، اور نہ وہ آیت اس وقت تک محکمات میں داخل ہو سکتی ہے۔ اس مقام نظر سے متشابہات کا کتاب الٰہی کے اندر موجود ہونا انسان کیلئے تحقیق و تلاش کی ایک اہم راہ عمل ہے ان کی وجہ سے افراد امت کا انہم گروہ مختلف یا فرقہ بند بن جانا قطعاً مقصود نہیں۔ (ق)

فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ؁ (الجاثیہ ۴۵) کا الٰہی محاکمہ قرآن پر عمل کرنے والے صاحب ایمان لوگوں کو جب تک زمین و آسمان قائم ہیں روز بروز نئی راہِ عمل دکھاتا رہیگا۔ وہ الٰہی اصطلاح میں صاحب ایمان بننے کی لازوال ترغیب پر آیاتِ خدا کی تلاش میں کائناتِ فطرت کو ہر گوشہ دیکھتے رہیں گے بہت ممکن ہے کہ اس آیۂ جلیلہ کی کامل تفسیر اور صاحب القرآن کا اس کے بارے میں مکمل عندیہ روز قیامت تک معلوم نہ ہو سکے، اور صحیح معنوں میں یہ آیت ابدالآباد تک متشابہات میں داخل رہے۔ مگر اعمال خدا کی تلاش کو جزو ایمان قرار دے کر سعی و عمل کا ہیجان عظیم برپا کر دینا ہی اس آیۂ جلیلہ کا واحد منتہائے نظر ہے، یہی اس کا واحد اور ناقابل بدل مطلب ہے، مقصودِ وہی ایک ہے، یہ نہیں کہ سوال پیدا کر دیا جائے کہ آسمان و زمین میں آیات خدا کس نوعیت کی ہیں، اور خدا کی مراد بعینہٖ ان کی کون سی شق سے ہے؟ اور پھر ان سوالات کو نبائے نزاع قرار دیکر دو یا دس فریق بن جائیں، جو ایک دوسرے کی رائے کو غلط فہمی اور کاغذی اجتہاد سے رد کرتے پھریں، لیکن اس آیۂ کریمہ کے اصل مقصود کی طرف ایک قدم بھی لغزش تک نہ ہو!!

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ علامہ مرحوم نے سیرت پاک حضرت محمد عربی صلعم کا اجمالی تبصرہ کی خاطر اور قرآن مجید کے آیات کو شانِ نزول کی ترتیب میں لا کر دو مجلدات پر مبنی ایک کتاب "تکملہ" تصنیف کی ہے۔ ان دو مجلدات کا مطالع ذیل ہیں

درج کیا جاتا ہے۔ تاکہ علامہ مرحوم کے علمی تجربہ کا بخوبی اندازہ ہو سکے۔ توحید اور شرک دو ایسے فصل ہیں جن کی نسبت ملت اسلامیہ میں مختلف موقف اور سخت اختلافی مسلک موجود ہیں۔ اللہ کو واحد ذات مان لیں۔ اور اس اصول کو زندگی کے ہر پہلو میں اپنانا یقیناً توحید کی ایک صحیح اور واجب تعریف ہو سکتی ہے۔ مگر تصوف کے تصور وحدت الوجود سے اس تعریف میں کئی قسم کی تحریف وارد کر دی ہے اسی طرح شرک باللہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو قادر مطلق اور حاکم مطلق مان لیا جائے اور اللہ کا کسی ولی، پیر، اولیا، اصفیا یا نبی صلعم کو اللہ کا شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ لیکن اللہ کی مخلوق کو کسی صفات کا حامل سمجھ کر کسی معاملات میں مجازی قادر اور مجازی خالق یا مجازی رب تسلیم کر کے شرک باللہ کے تصور میں کئی تاویلیں کی گئی ہیں اسطرح امت مسلمہ توحید اور شرک باللہ کے بارے میں بے جا غلو کی شکار ہو چکی ہے۔

علامہ مرحوم رحمتہ اللہ علیہ نے توحید کا تصور یوں پیش کیا۔

"پس اصل دین میرے نزدیک توحید ہے اور توحید قلوب کے اندر پیہم بت شکنی کرتے رہنا ہے۔ یہی عبادت خدا ہے۔ صوم و صلوٰۃ، حج زکوٰۃ کو رسماً اور عادتاً یا تقلیداً ادا کر لینا یا کلمہ شہادت کو بصحت تمام پڑھ لینا میرے نزدیک قطعاً کوئی عبادت نہیں۔ عبادت میری سمجھ میں اسی کی ہو رہی ہے جس کے لئے عمل ہو رہا ہے جس کی خاطر تکلیف اٹھائی جا رہی ہے اگر ایک شخص کے ہاتھ پاؤں کسی نفسانی غرض کی خاطر حرکت میں آ رہے ہیں،

اگر کسی شے کی لو اس قدر لگی ہے کہ اس کے لئے ہر طرح کی تکلیف گوارا ہے نیند حرام ہو گئی ہے شبانہ روز اضطراب ہے۔ اگر ایک شخص کسی پیر یا ولی کے پیچھے لگا ہے، اس سے ارادت یا تعبد ہے۔ اس کے حکم پر اٹھتا بیٹھتا ہے اس کے اشاروں پر عمل کرتا ہے یا اولاد کی محبت میں مستغرق ہے دن رات ان کی خدمت میں معروف ہے، یا انگریز سے اعتبار کھتا ہے، اور اس سے بیم و رجا کے لوازم پیدا کر لئے ہیں تو میری دانست میں وہ شخص اس نفسانی غرض، اس شے، اس پیر، اس انگریز کی عبادت کر رہا ہے (وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔ البقرہ) وہ ان کو خدا کے بالمقابل ند اور شریک بنائے ہوئے ہے زمین پر سر رکھ کر ان کے آگے سجدہ کرنا عبادت کے مقر ہونے کے لئے کچھ ضروری نہیں، خود اس کے ہاتھ پاؤں، اٹھنا بیٹھنا، محنت اور تکلیف اس امر پہ نہیم گواہ ہیں کہ اس کا معبود و مخدوم وہی ہے۔ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۔ جاثیہ ۔ وہی اس کا الٰہ ہے، وہی حقیقت میں خدا ہے اس حالت میں خدائے عزوجل کی پنج وقتہ نماز پڑھ لینا، یا حج، صوم، زکوٰۃ کا چھدا سا اتار دینا بھی کچھ معنی نہیں رکھتا، سجدہ اسی کا ہے جس کا تعبد ہو رہا ہے۔ دنیا بھر یا ایک سو سجدوں

کا آسان عمل چند لمحوں کے لئے کر کے باقی وقت غیروں کی اطاعت میں صرف کر دینا اور بعد ازاں عبودیتِ خدا کا دعویٰ کرنا میری نگاہ میں از بس مضحکہ انگیز ہے۔ نہیں بلکہ ایسا سجدہ فی نفسہ بے معنی ہے۔ ایسی نماز ہو یا نہ ہو خدا کے نزدیک کچھ وقعت نہیں رکھتی بعینہٖ اسی بنا پر اگر کوئی فرد یا قوم اپنے اعمال میں خدا کے احکام پر چل رہی ہے۔ اس کے قانون کی عملاً مطیع ہے لیکن رسماً یا عادتاً یا رواجاً کسی بت، کسی پتھر، کسی شمس و قمر کے آگے ماتھا ٹیک رہی ہے تو وہ درحقیقت خدا کی عابد ہے اگرچہ اس کا اس پتھر کے آگے ماتھا ٹیکنا ایک فعل عبث ہے، اور عابد خدا قوم کے لئے یہ ظاہری سجدہ بھی فی الحقیقت اسی خدا کے آگے ہونا چاہئے (لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ (حم السجدہ ۱۵) پتھر کی رسمی پرستش یا خدا کے آگے رسمی سجدے کر لینے سے کسی قوم یا فرد کے عابدِ ماسوا ہونے کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے مشرک یا موحد بن جانے کا معاملہ طے نہیں ہو سکتا۔ عبادت کا فیصلہ عمل اور صرف عمل پر ہے۔ اس بات کو دیکھنا ہے کہ کس کے احکام کی تعمیل ہو رہی ہے، پھر جس کے حکموں پر ہو رہا ہے اسی کی عبادت ہو رہی ہے، اگر خدا معبود ہے تو وہ قوم موحد ہے اگرچہ رسماً پتھروں کو کیوں نہ پوج رہی ہو، یا قولاً خدا کو تین یا دس یا دس ہزار کہہ رہی ہو۔ اگر ماسوا کی عبادت میں لگی ہے تو وہ قوم مشرک اور کافر ہے۔ اگرچہ رسماً اور زباناً

آگے سجدوں کے انبار لگا کر مکر کر رہی ہو۔ اس دنیائے کسب وعمل کے اندر جو بھی ضایع نہیں ہوتی وہ عمل ہے اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی (آل عمران) نماز اور زکوٰۃ اور روزے رسما ادا کرکے اور محض شیطان کی عبادت کر کے ضایع ہو سکتے ہیں (فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا) (مریم ۱۹) مگر صحیح یا غلط عمل ایک ذرّے کے برابر ضایع نہیں ہوتا (فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ○ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ○ زلزال) ظاہری قول اس زمین و آسمان کے اندر بہر نوع کچھ شے نہیں، اور جو قوم صرف ظاہر کو پکڑے ہوئے ہے اور باطن کو اپنے آرام کی خاطر نظر انداز کر رہی ہے وہ در حقیقت خدا سے مکر کر رہی ہے۔ نہیں بلکہ اس کے کافر اور مشرکِ خدا ہونے میں شک و شبہ کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں (اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰی كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ قُلْ سَمُّوْهُمْ اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ○ لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ○ (رعد ۱۳) (قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ○ (الرعد ۱۳)

علامہ مرحوم نے اعتقادی بت پرستی، اور نہ قولی خدا پرستی دونوں کو بے معنی اور نظام حیات سے لاتعلق اعمال قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے۔

"اس کرشت زار سعی وعمل کے اندر نہ اعتقادی بت پرستی کوئی بت پرستی ہے، نہ قولی خدا پرستی کو عبودیت کہہ سکتے ہیں نہ منہ کی بکواس کر لینے سے اس کی شان کم ہو سکتی ہے۔ نہ زبان سے خدا خدا کرنے سے اس کی عزت بڑھا سکتے ہیں۔ کون ومکان کی اس ناپیدا کنار بحر میں نسل انسانی کی اضافی حقیقت وہی شخص جان سکتا ہے جو اس کے اعمال کا علم رکھتا ہو، اور جو امت اس ہیچ میرزی اور بے حیثیتی کے بعد بھی منہ کے اقوال کو خدا کی کوئی خدمت سمجھ رہی ہے یا اس پر احسان رکھ کر اس کو خوش کر لینے کے زعم میں ہے، وہ درحقیقت اپنے آپ کو بہت بڑا اور اس مالک کبریا وجبروت کو بہت چھوٹا اور تھڑ دلا سمجھ رہی ہے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ حکومت بھی اس دنیا میں صرف رعیت کے اعمال کو دیکھتی ہے، جو شخص رائج الوقت قانون کی پابندی کر رہا ہے اس کو اپنی رعایا سمجھتی ہے، رعیت کے حقوق، رعیت کی مراعات اور انعام امن وآسائش کے سامان بے نیازی اور استغنا سے سب دیتی ہے۔ جب تک حکموں کی تعمیل جاری ہے سلطنت کا قانون اس کو نہیں چھیڑتا، حکومت کے متعلق اس کے افواہی عقیدوں کی کچھ پرواہ نہیں کرتا۔ سزا اس دن شروع ہوتی ہے، جب سے حکم عدولی شروع ہو۔ جب قانون کی حد سے تجاوز عملاً

ثابت ہو۔ بعینہٖ اسی طرح بلکہ اس سے بے انتہا بڑھ چڑھ کر ربّ زمین وآسمان
کا محکمہ قضا وقدر اقوال ختماً بے نیاز ہے۔ آج اسی قوم کی قوت کو بڑھا رہا ہے
جو متمرد ہے اسی کو ملک بخش رہا ہے، اسی پر یُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا (نوح ۱)
کا محاکمہ عاید ہے۔ نہیں منہ سے خدا پرست اور بے عمل مسلمانوں سے چھین چھین کر
دے رہا ہے، مسیح کو ابن اللہ کہنے والی باعمل قوم کو دے رہا ہے۔ تثلیث کر وڑ دیوتاؤں
کے ماننے والوں کو دے رہا ہے، چیخوں اور کراہوں، نوحوں اور مرثیوں کے باوجود
دے رہا ہے، مسجد اقصیٰ کو دے رہا ہے، بلد امین کو دے رہا ہے، بیت الحرام
کو دے رہا ہے، روم اور مصر کو، عراق اور عرب کو دے رہا ہے! یہ سب اس
لئے کہ قانون پر عمل دراصل ان ہی ابن اللہ والوں کا ہے، حکموں کی تعمیل ان ہی
مسیح کو خدا کہنے والوں کی ہے، پیہم تکلیف وہی اٹھا رہے ہیں، دلوں کو بت شکنی
وہی کر رہے ہیں، شیطان کی عبودیت سے وہی خارج ہیں! نرے منہ سے کہنے
والے مسلمان کچھ کام نہیں کرتے، کچھ پابند قانون نہیں، کچھ عابد خدا نہیں۔ اگر
اس باریک بینی اور دقیقہ رسی، اَللّٰہُ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَاءُ (یوسف ۱) اور خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
(توبہ ۹) خدا کے انتساق وامساک، اس کی جزا و سزا کی یہ توجیہہ صحیح نہیں تو اس دنیا
کے اندر جو کچھ مسلمانوں سے ہو رہا ہے ظلم ہے، جو کچھ نصرانیوں سے ہو رہا ہے استبداد
ہے، بے سبب قہر ہے، بلاوجہ جبر ہے۔ ایسے مستبد، جابر اور (العیاذ باللہ)
ظالم خدا سے کیا دور ہے کہ کل کو سورج کو حکم دے کہ صرف ملک فرنگ پر چڑھا

کر سے یا پانی کو کہہ دے کہ حرف المانیہ میں بہہ کرے اور عرب میں جاکر لکڑی کی مانند ٹھوس ہو جائے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ النَّاسَ شَیْئًا وَّ لٰکِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ ٥ (یونس) پس اس عظیم الشان اور صحیح اس منظم اور منسق کارخانے کے اندر جو کچھ ہو رہا ہے کسی اصول کے ماتحت ہو رہا ہے، ظلم اور استبداد، جبر اور قہر سے کچھ نہیں ہوتا۔ ظاہری بُت پرست اگر متحد قومیں اس کی مطلق اصطلاح میں عابد خدا اس لئے ہیں کہ اس کے قانون پر عمل کر رہی ہیں، رسمی بت پرستی کے باوجود متحد ہیں۔ یہ اتحاد بھی اس وجہ سے ہے کہ دیبیوں کے آگے ماتھا ٹیکنا صرف رسمی اور عادتی رہ گیا ہے۔ صدیوں کے آباتی رواجوں کا بقیہ ہے، ایک فعل عبث ہے، ایک بے نتیجہ بات ہے۔ افواہی اور بالائی کفر ہے، لیکن اس پتھر سے فی الحقیقت کوئی والہانہ تعلق یا اس میں کوئی تفرقہ انداز توغل باقی نہیں رہا۔ جو شے قوم میں فی الحقیقت تفرقہ انگیز ہے، وہ لذات و اہوا کی پرستش ہے اولاد کو پوجنا ہے، مال کی عبادت ہے، نفسی اغراض کا پیدا کیا ہوا تجنب اور تجرید ہے وغیرہ وغیرہ! یہی وہ غیر مادی اور ہوائی بت ہیں جو بڑے سخت ہیں، جن کو توڑنا مشکل ہے، پتھر کے بتوں کو توڑنا یا ان سے تعلق منقطع کر لینا کوئی بڑی مردانگی نہیں، وہ صرف محمود غزنوی کی توحید ہے، احمد مرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توحید قطعاً نہیں، پتھر کے بت اس وقت صحیح معنوں میں ہلاکت انگیز ہو جاتے ہیں جب ان سے بھی وہی مال و اولاد والا اعتنا

پیدا ہو گیا ہو، جب ان کے آگے چند لمحوں تک ہاتھ پھیلانے کی بجائے ۲۴ گھنٹے کا تعبد ہوا اور ہر گھر اور قبیلے کا ثبت جدا ہو، لیکن یہ عبودیت جس قوم میں پیدا ہوتی ہے چند مہینوں یا برسوں سے زیادہ طبعاً نہیں رہ سکتی۔ ایک اقل قلیل مدت کے اندر ان پتھروں سے عبودیت مسلمانوں کے آجکل کے خدا سے تعلق کی طرح صرف رسمی اور زبانی رہ گئی ہے اور وہ بت فی الجملہ بے نفع و ضرر ہو گیا ہے لذات اور اہوا یا پیر و اولیا کے اعتقادی نفع و ضرر کے بتوں کا یہ اندازہ قطعاً نہیں) وہ جب تک نسل انسانی اور خدا کا بنایا ہوا عالم الملکوت موجود ہے انسان کے ساتھ لگے رہیں گے، اس کو اپنی عبادت پر پیہم اکساتے رہیں گے ہاں جوں جوں ان کی عبادت زیادہ ہوتی رہے گی، ان سے ولوع زیادہ ہوتا رہے گا سب تگ و دو ان کے لئے وقف ہوتی رہے گی، خدا کے حکموں کے لئے کچھ عمل باقی نہ رہے گا۔ پھر اعضا سست پڑ پڑ کر اس قوم کو تباہ کر دیں گے! یہی حیواۃ دنیا میں استغراق ہے یہی حیوۃ دنیا کی وہ متاع قلیل ہے جس سے اجتناب کرتے رہنا ہر عابد خدا قوم کا شیوہ ہے زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَآءِ وَ الْبَنِيْنَ وَ الْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَ الْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَ الْاَنْعَامِ وَ الْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ (آل عمران) جس قوم نے ان بتوں کی عبادت کی اس کی اس دنیا میں مٹی پلید ہے، وہ اپنے حقیقی دشمن شیطان کی عبادت

کر رہا ہے، ان پر صفحِ جمیل کا پردہ ڈال کر ان کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھتا، وہی
اس خدائے بے نیاز سے اجرِ عظیم کا مستحق ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ
وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْھُمْ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا
فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ اِنَّمَآ اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ ط وَاللّٰہُ
عِنْدَہٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝ (تغابن ع۲) جس قوم نے ان بتوں میں لگ کر اپنی قوائے
عاقلہ کو مضمحل کر دیا جوان مرادوں کی مرید بن گئی، جس نے مال اور مکان بیٹوں
اور بیٹیوں، گھوڑے اور جورو، ہیرا اور کبیر، باغوں اور طویلوں کو اپنا معبود
بنا لیا۔ اس کی عاقبت قطعاً خراب ہے، اس کی سب رسیاں ایک نہ ایک دن ٹوٹ
جائیں گی، بہتری کا کوئی وسیلہ باقی نہ رہیگا، اس دن مرید سے مراد الگ،
مطیع سے مطاع جدا، اور یاس و حسرت کے سوا کچھ سامنے نہ ہوگا۔
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَھُمْ کَحُبِّ اللّٰہِ ط
وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ط وَلَوْ یَرَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ یَرَوْنَ ا
لْعَذَابَ لا اَنَّ الْقُوَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا لا وَّاَنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعَذَابِ ۝ اِذْ تَبَرَّاَ ا
لَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِھِمُ الْاَسْبَابُ ۝
وَقَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا کَرَّۃً فَنَتَبَرَّاَ مِنْھُمْ کَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ط کَذٰلِکَ
یُرِیْھِمُ اللّٰہُ اَعْمَالَھُمْ حَسَرٰتٍ عَلَیْھِمْ ط وَمَا ھُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنَ النَّارِ (بقرہ ع۲۰)
حیوۃ دنیا کی عبادت میں جو قوم لگ گئی اس کی عاقبت بہر نوع خراب ہے

یہی سچی بت پرستی اور سچا شرک ہے، یہی وہ ظلم عظیم ہے جس کی بخشش کی کوئی
آس نہیں اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ
یَّشَآءُ ۚ وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِیْدًا (النساء) اسی عبادت
اور لگاوٹ کا نتیجہ جہنم ہے دہکتی ہوئی آگ کے انگارے ہیں: اِنَّ الَّذِیْنَ
لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَاطْمَاَنُّوْا بِہَا وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ
اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۙ اُولٰٓئِکَ مَاْوٰىھُمُ النَّارُ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ (یونس ۱) جس
قوم نے دنیا کے منافع و اسباب سے نفرت کی، دنیا اس کے قدموں پر گرتی
رہے گی، اس کی زر خرید لونڈی بنی رہے گی، جس نے دنیا سے اغتنا پیدا کیا
اس کے ہاتھ سے وراثت زمین کا نکل جانا اٹل ہے دنیا سے نفرت دنیا کی نعمت
کو اپنے پاس برقرار رکھنے کے لئے ہے، تمکن فی الارض اور استخلاف کیلئے ہے
سنجیدہ کر قوی بننے کے لئے ہے، موحد بن کر عابد خدا بننے کے لئے ہے،
عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ (انبیاء ۲) بن کر وراثت زمین بننے کے لئے، یہ اس لئے کہ یہ
عشوہ گر کمزور اور سست اعضا خاوند کو مسترد کر دیتی ہے، قوی اور مضبوط
خاوند کو اپنی لو لگا کر کمزور کو طلاق دیکر پھرتے خاوند کے درپے ہے،
جو قوم حتی الوسع اس کی محبت کی مجرم نہ بنی، دنیا اور زمین اسی کی ہے خدا
اسی کا ہے، توحید اسی کی ہے، آخرت اسی کی ہے، یہاں پر سرسبز جنات
اور سر بفلک محلات، زہرہ وش حور وشیں اور جگر خون کن حوریں، سونے کے کنگن

اور لباس حریر، اور آگے چل کر الجنۃ ہے لیکن جس قوم کو اس دنیا کے
اندر خوش اسلوبی سے رہنے کی راہ نہ ملی جس نے توحید کے اس سربستہ راز کو نہ
پایا اس کی آخرت بھی خراب ہے، اس کے بالآخر بھی جہنم ہے، جو یہاں پر
اندھا رہا اور لذات دنیوی میں مستغرق ہو گیا اس کی آگے چل کر بھی مٹی
پلید ہے وَمَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ
سَبِيْلًا (بنی اسرائیل)۔ خوشنودی خدا اور ابتغاء رضوان اللہ کی نعمت اور
صراط مستقیم کے حصول کے لئے رہبانیت اور توحید کا یہ وہ فلسفہ عظمی
تھا جس کو قرآن عظیم نے صدر اسلام میں ختم رسل کی وساطت سے پیش کیا
جس کی حقیقت کو پاکر نسل انسانی کا ایک بڑا حصہ چند قرنوں کے اندر نہال
ہو گیا، جس پر چل کر آسمان و زمین کے دروازے چوپٹ کھل گئے جس کی تعمیل
کر کے اوپر سے رزق برسنے لگا، نیچے سے دودھ اور شہد کی نہریں پھوٹ
نکلیں، لیکن آج اسی فلسفے کو اس زمانے کے خرقہ پوش صوفیا، اور اپنے
زعم میں اولیاء اللہ خانقاہوں کے اندر کملیاں اوڑھ اوڑھ کر، تسبیحوں کے
منکوں کو جھٹکا جھٹکا کر اور اوندھے منہ غوں غوں کر کے دنیا کی اس نعمت عظمی پر
وہ بیدردی سے لات مار رہے ہیں کہ اس منعم لم یزل نے بھی ایک چپہ بھر
زمین مسلمانوں کے پاس باقی نہیں رکھی۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ
(البقرہ)، کا غلط تخیل اس قدر نابکار، اس قدر مجنونانہ، اس قدر مضحکہ انگیز، اسقدر

سوقیانہ، نہیں اس قدر آرام دہ اور بے کارانہ بنا لیا ہے کہ اُس ملک زمین و آسمان کے سودائے عشق میں تلوار ہاتھ میں لیکر دشمن سے خدا کی زمین چھیننے کی بجائے کفنیاں پہن پہن کر حال کھیلتے ہیں، سر کو دھنتے ہوئے سے پٹخا پٹخا کر دیواروں پر مارتے ہیں، وجد میں آکر بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ بازاری عشق و تغزل کے سب لوازمات اس حد تک پیدا کر لیتے ہیں کہ خدا اور اس کے رسول کے ہجر میں حیا سوز غزلیں گائی جاتی ہیں، کمروں اور گیسوؤں، گالوں اور جوبن حتیٰ کہ شبِ وصال اور شبِ ہجر والی غزلیں ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ لذت انگیز اور آسمان شگن توحید، وہ چالیس ہزار شہر اور قلعوں کو ۱۲ بارہ برس میں سر کرنے والی توحید علم و نبوت کی سطح سے گر کر ظن و اعتقاد کی تحت الثریٰ تک اس قدر پہونچ چکی ہے، خدا کے اولیائے کرام کی شرم و حیا پر یہ پردہ پڑ گیا ہے کہ اس کو بازار کی عصمت فروش طوائف، کسی واصل باللہ، اور خانہ برانداز ولی کے مزار پر بیٹھی ہوئی پان کھا کھا کر گا رہی ہیں! ہاں یہ سب کچھ شرک کا ایک بیگماں منظر ہے محبت نفس کے مکر ہیں، ضعفِ ایمان کا تماشہ انگیز ریا ہے، یہ اس لئے کہ جہاد بالسیف کے جگر نہیں رہے، تمنائے موت کے دل نہیں رہے، متحد بن کر رہنے کی نفس کشیاں نہیں رہیں، خدا پر یقین نہیں رہا، یوم آخرت پر ایمان نہیں رہا، جان پیاری ہو گئی ہے، ایک نصب العین، ایک عشق، ایک جہاد، ایک قرآن، ایک امت، ایک امیر، ایک رسول

ایک خدا نہیں رہا۔ پس جس قوم کے ہر فعل و عمل میں شرک کا جز و کبیر اس قدر موجود ہو وہ خدا کی دوستی اور ولایت کا دعوٰے کس منہ سے کر سکتی ہے۔ اس کو منعم علیہ قوموں کی توحید میں شک کرنے کا کیا حق ہے؟ اس کو نصرانی کی عبودیت سے انکار کس برتے پر ہے؟ اس کو اس اسلام کا احسان کس شیخی پر ہے:

قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ۝ (حجرات ۴۹) نبی آخر الزمانؐ کی صدر اسلام میں لائی ہوئی توحید فی الحقیقت وہ سکون سوز اور تاب گسل، وہ لرزہ فگن اور لشکر شکن شے تھی، مومن کے لئے اس کا ہر وقت نباہتے رہنا وہ مصدر کسب و عمل بن گیا تھا، اس کا دلوں کے اندر کیف و حال وہ مصلح اعمال اور مزکی افعال شے تھا کہ چند لمحوں کے لیے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ بت کی محبت کو قلب پر حکمران کر لینا بھی ایمان کے منافی ہو چکا تھا یا ان کو ہر لحظ اور ہر آن اس امر کا خوف تھا کہ ادنیٰ سی عبادت ماسوا کر کے مشرکوں کے حلقے میں جا داخل ہوں گے، انکے دل مسلسل تکلیف اور پیہم اطاعت میں گذرتے تھے، راتوں کو بستر سے پہلو آشنا نہ ہوتے تھے: تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (السجدہ ۳۲) - امت کی بہتری اور وراثت زمین کی طمع میں لرزتے جسم کھینچ کھینچ کر حلق تک پہونچتی تھیں کلیجے مونہوں کو آجاتے تھے، آنکھیں بھر بھر کر

رہ جاتی تھیں مگر اس زرِ امتحان طلب کی خوش دلانہ ملازمت ہاتھوں پر بل
نہ آنے دیتی تھی إِذْ جَاءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ
زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا ۝
هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ۝ (احزاب ۳۳)
منعم لم یزل کے یہ خوش دل مزدور اور چاکری خدا کے یہ سچے شیدائی اسی دم مرزن
اطاعت اور غیر متزلزل عبادت کو الجنۃ میں داخل ہونے کا واحد ذریعہ سمجھتے
أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُم مَّثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا
مِن قَبْلِكُم ۖ مَّسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ
وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ ۗ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ۝ (البقرہ)
مومن کے دنیاوی تمکن کو رضائے خدا کا آخری وسیلہ جان کر دشمن پر غالب
آکر رہنا عین ایمان سمجھتے رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ أُولَٰئِكَ حِزْبُ
اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ (مجادلہ) ۔ قرن اول کے مومن کی توحید کا سچا کیف کسی
طوفان زدہ کشتی کے بیکس مکینوں کا وہ کیف خشوع، اور اس کے ڈوبتے
ہوئے بے بسوں کا وہ زہرہ گداز خضوع و سجود تھا جس کے ہوتے ہوئے
دلوں کے اندر کسی ماسوا سے اعتنا کا باقی رہ جانا طبعاً ناممکن ہے، اس کا تیرک
بھی سبکساران ساحل کی تمرد اور نڈری کی پیدا کی ہوئی وہ ہنگامی تھی جس
کی ایک بھری اور آراستہ محفل شیطان کی دلوں پر حکومت ہر جگہ قائم کر

کر دیتی ہے۔ فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ فَلَمَّا
نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ ۝ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ وَلِيَتَمَتَّعُوا
فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝ (عنکبوت ۹س) اگر آج ہی توحید مسلمان کی آرام پسندی اور
ہرزہ درائی، کام چوری اور یاوہ گوئی کے باعث تھر کے بتوں سے پرہیز کرنے
والی توحید بن چکی ہے۔ اگر آج ہر مسلمان نے بلا استثنا تے احد سے لا
تُشْرِكْ بِي شَيْئًا (حج ۲۲) کی روح فرسا مگر بادشاہ گر توحید کو لا تشرک بی
جھجا کی آرام دِہ مگر تحکم کش توحید سے بدل دیا ہے، اگر وہ سب کے سب الٰہی
مقاصد اور کلام خدا کے اندر حیرت انگیز تحریفیں پیدا کر کے اپنے نفس کے لیے
آسانیاں پیدا کر رہے ہیں اور خدا کو منہ سے ایک ایک بکتے رہنا اپنی زندگی کا
منتہائے اہم سمجھتے ہیں تو سمجھتے رہیں۔ لیکن یہ یاد رکھیں کہ خدا بھی وہ خیر
الماکرین خدا ہے کہ آج ان سے ان کے مکر کا دردناک بدلہ ان کی پوری اُمت
سے لے رہا ہے، ان کے شہروں کو اُجاڑ رہا ہے، ان کے مرکزوں کو تباہ کر رہا
ہے! ان کی قوتوں اور فضیلتوں کو آہستہ آہستہ سلب کر کے موت کے گھاٹ
اتار رہا ہے! ہاں یہ سب کچھ ان سے چھین چھین کر علی رغم انف ان لوگوں کو دے
رہا ہے جنہوں نے باپ، ماں، بیٹا، روح القدس الغرض خدا کا ایک پورا کنبہ بنا
رکھا ہے، جنہوں نے آج تک ایک کلمہ شہادت نہیں پڑھا، اور ایک مسجد نہیں
دیکھی، ایک رکعت بھولے سے ادا نہیں کی، ایک روزہ نہیں رکھا، ایک پیسہ

زکوٰۃ ہیں نہ دیا، بھول کر مکے اور مدینے یا نبی آخر الزماں اور قرآن کا نام تک نہیں سنا! ہاں لیکن خدائے عادل کے ہاں سے نباہی کا فرمانِ خسروی اسی قوم کے حق میں نافذ ہوتا ہے جو اس کے ساتھ مکر کر رہی ہے جو اس کے حکموں کو عملاً اور معناً جھٹلا رہی ہے جو منہ سے اس کو ایک ایک کہہ کر عملاً اس کو دس ہزار ثابت کر رہی ہے، عادل اور دقیقہ رس، اَللَّطِيفُ (انعام) اور اَلْخَبِيرُ (انعام) خدا صرف نیتوں اور اعمال قلوب کو دیکھتا ہے۔ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ (بقرہ ۲) لوگوں کے لغو اقوال اور بے ہودہ اعتقادات کو کچھ نہیں دیکھتا، اس کی تمام تر توجہ اسی بات میں صرف ہوتی ہے کہ کام کیا ہو رہا ہے، داڑھیوں، مسواکوں، ڈھیلوں اور استنجاؤں کی طرف اس کی نگاہ ہرگز نہیں جاتی! (وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَأُمْلِي لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ (الاعراف)

الغرض اس لفظی اور قولی، اس بیکارہ اور ناکارہ توحید سے قطع نظر قرآن حکیم کی توحید کا سب سے پہلا اور اہم عمل اتحاد ہے، وحدت اُمت ہے، تالیف بین القلوب ہے، وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ..... إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (انفال) ہے جس قوم کے ذہنوں اور دلوں میں، جس کے اعضاء و جوارح میں یہ توحید سرتاپا گھر کر گئی اس کے افراد میں نظم و نسق کا قائم ہو جانا

اٹل ہے۔ جو امت توحید کے اس مشروط بایمان اور عظیم الشان راز کو پا گئی اس کی دنیوی فلاح قطعی ہے، اس کا اس دنیا میں بلفظ طے شدہ امر ہے، استخلاف طے شدہ امر ہے، دوام طے شدہ امر ہے، نہیں بلکہ آگے چل کر آخرت کا دوام بھی اسی کا ہے! جو قوم اس طرح پر موحد ہے، جس نے خود رائی اور نفس پسندی کے بت کو ہر دم توڑ کر اپنے اخلاق و اعمال میں ایک لازوال متانت اور توازن پیدا کر لیا ہے، اس کے سب افراد کا ایک امیر کے ماتحت ہو جانا اٹل ہے، حکم امیر پر فی الفور لبیک کہہ دینا ان کی نظروں میں در حقیقت خدا ہی کی اطاعت ہے، اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ، کے آگے گردن تسلیم خم کر دینا در اصل اب بے نیاز کے ایک اہم ترین اور مشروط بایمان حکم کو نباہنا ہے، قرون اولیٰ کے عرب کی مانند رسول خدا اور امیر المومنین کی اطاعت ان کی نظروں میں خدا کی اطاعت ہے۔ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ (النساء ۴) جس قوم نے توحید کو اس طرح پر شعار عمل بنا لیا، اس کے لئے امیر کے کہنے پر دشمن سے جہاد بالسیف کرنا صرف ایک بت شکنی ہے، توحید کی طرف ایک قدم ہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پر عمل ہے، جان کے پیارے بت کو توڑنا ہے۔ خدا کی دی ہوئی جان کو خدا ہی کی راہ میں قربان کرنا ہے۔ جس امت نے توحید کو اس طرح پر سمجھ لیا، جس نے اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (البقرہ) کے عالم انگیز فلسفے کو اپنے اور جماعت کیلئے نفع مند یقین کر کے اس کو عملاً کر دکھایا، اس کے لئے جہاد بالمال کچھ مشکل نہیں، اس کے لئے حسب موقع صدیق اکبرؓ کی طرح اپنا سارا اثاثِ بیت لا کر امیر جماعت کے

قدموں پر ڈال دینا کچھ مشکل نہیں۔ اس پر محبوب کو خوش کرنے کے لیے اپنی
محبوب ترین شے دیدینا کچھ مشکل نہیں۔ ان کی نگاہ میں اپنی محبت کی تصدیق کے
لیے اس سے بہتر کوئی سند نہیں لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ
(آل عمران ۴) ہاں جس قوم نے توحید کو اس طرح پر یقین کر لیا جس نے ہر بت شکنی کو
خدائے بے مثال کی سچی عبادت سمجھ کر اپنے دل کے اندر ایک غیر منقطع اجر کی ڈھارس
باندھ لی اس کے لئے اپنی قوم کی بہتری کی خاطر ہجرت وطن کچھ سختے نہیں
ترک اولاد کچھ شے نہیں، ترک اقربا، ترک متاع، ترک خان و مان کچھ شے نہیں
اس کی نظروں میں یہ سب فوری تکلیف ایک لازوال اور غیر منقطع امن کا پیش خیمہ
ہیں ایک قائم اور دائم حکومت، ایک رحمت خدا کی موسلا دھار بارش کی تمہید ہیں۔
یُمۡدِدۡکُمۡ بِاَمۡوَالٍ وَّبَنِیۡنَ (نوح ۱)، کا مقدمۃ الجیش ہیں، ایک نقد دے کر
اُس صادق الوعد خدا سے دس ادھار کر لینے کی تیاریاں ہیں۔ ہاں جو قوم اس توحید
پر اس نہج سے چل رہی ہے، اس کے لئے اپنی سعی و عمل میں استقامت اور نتائج کی رو
سے خدا پر توکل ناگزیر ہے، اس کے افراد میں ایمان بالآخرۃ کا موجود ہونا قطعی ہے
اس میں علو اخلاق کی قدسی نیرنگیوں کا قائم رہنا قطعی ہے۔ روزانہ معاملات میں
مسامحت عدل، ایفائے نذر، رحم، نکوکاری، پاکدامنی، حیا۔ دیانت وغیرہ وغیرہ
الغرض ان سب مکارم اخلاق کا موجود رہنا جو سچی خداترسی اور خداشناسی
کے باعث قوم میں پیدا ہو جاتے ہیں اٹل ہے۔ نہیں بلکہ اس قوم میں زمین و آسمان

کی ایک ناپیدا کنار تکوین کے گوشے گوشے کا علم حاصل کر کے اپنے دوام و بقا کے لئے قانونِ خدا اور امر رب العالمین کا پتہ لگاتے رہنا، اس کی مشیت کی صحیح درک لگانا اس کے بالاولیت یہی آیاتِ خدا کی تلاش کرنا، سمع و البصر کا صحیح استعمال کر کے اس کی سچی معرفت میں لگے رہنا نہ صرف عین اسلام اور عین ایمان بلکہ عین توحید ہے، جس قوم کے اندر توحید کے یہ سب عظیم الشان اعمال بدرجہ اتم قائم ہیں، جسکے افراد میں توحید فی العمل، وحدت امت، اطاعت امیر، جہاد بالمال، جہاد بالسیف والانفس، ہجرت استقامتہ فی السعی مع التوکل فی النتائج، علم، مکارم اخلاق، ایمان بالآخرۃ کے دس عظیم الشان اصول عملاً اور اصالتاً موجود ہیں۔ اس کا اس دنیا میں ہمیشہ تک بادشاہ زمین رہنا، جناتِ زمین میں متمکن رہنا، قائم و دائم رہنا، ایک طے شدہ امر ہے جب تک زمین و آسمان قائم ہیں اس امت کو کسی طرف سے کوئی آسیب قطعاً نہیں پہونچ سکتا، اس کی زندگی اس دنیا میں قطعاً بےخوف و خطر ہے۔ اور یوم آخرت کو الجنتہ کی نعمت عظمیٰ کا وارث بن کر ابدالآباد تک آرام پانا اسی کا حصہ ہے۔ وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ (زمر ۳)

علامہ عنایت اللہ خان المشرقیؒ نے اپنی ساری زندگی کو غلبۂ اسلام کی خاطر داؤ پر لگایا۔ چالیس سال کی عمر کو پہنچ کر انہوں نے سرکاری ملازمت کو خیرباد کیا اور اپنی ساری املاک کو بھی بیت المال قرار دیا۔ گھر کے تمام

نوکروں کو رخصت کر کے اور عالیشان بنگلے سے نکل کر ایک منزلہ جھونپڑی میں مسکن پذیر ہوئے ۔ یورپی طرز کی پوشاک اتار کر خاکی قمیض اور پاجامے میں ملبوس ہوئے اور اس جہاں سے رخصت ہونے تک اسی لباس کو زیب تن کرتے رہے وہی علامہ جو کل تک پوری ٹھاٹھ باٹھ اور شان و شوکت کی زندگی بسر کر رہے تھے ۔ خاکی پوشش میں بیلچہ کندھے پر اٹھائے لاہور کے گلی کوچوں اور بازاروں میں چھاتی تان کر مارچ کرتے رہے اس طرح سے علامہ مرحوم نے قرن اول کے اسلام کی تجدید کی خاطر خاکسار تحریک کی ابتداء کی ۔ علامہ مرحوم نے اپنی ساری آرزوؤں اور تمناؤں کو خاکسار تحریک کے منظم کرتے اور کامیابی کی آخری منزل کو پہنچانے کے لئے وہ سب کچھ کیا جو ان کے بس میں تھا ۔ تحریک کے لئے چندہ کو حرام قرار دے کر انہوں نے اپنی ذاتی جائیداد کو وقف کیا ۔ اپنی اولاد تک کو تحریک کی راہوں میں قربان کیا ۔ علامہ مرحوم نے وہ تمام مصیبتیں اور مصائب جھیلیں جس سے سنگلاخ دل بھی ٹوٹ کر چور چور ہو جاتے ۔ مگر انہوں نے چیٹ پلیٹ کر تحریک کو کامیاب کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا ۔ ان کے نعرہ تجدید اعلائے کلمۃ الحق سے طاغوت کی دیواریں ہلنے لگیں ۔ انگریز سامراج جو پچھلے دو صدیوں سے ہندوستان پر قابض تھا ۔ اور ہر ممکن طریقے سے اس ملک کی دولت برطانیہ پہنچا کر اپنی قوم کو نصف دنیا پر حکمرانی قائم رکھنے کے وسائل بہم پہنچا رہا تھا سب سے پہلے چونک گیا ۔ انگریزی سامراج نے برصغیر میں

موجود اپنے چیلے چانٹوں کو جو کنا کیا اور انکو مختلف ادوار سے تحریک خاکسار میں حائل ہونے کی شہہ دی۔ انگریز نے سب سے پہلے برصغیر کے ملاؤں کو تحریک کے خلاف کھڑا کیا۔ سب ملاؤں سے علامہ مرحوم کو حکم کفر دلوایا گیا جب علمائے مصر جو اس وقت کے عالم اسلام کے حجت الاسلام مانے جاتے تھے متفقہ طور علامہ مرحوم کے خلاف نہ صرف حکم کفر کو رد کیا بلکہ انہوں نے علامہ کو علامہ المشرقی کے خطاب سے نوازا۔ سیاسی سطح پر علامہ مرحوم کی کردار کشی کی گئی اور ان کو باغی اور نازی قرار دیا گیا۔ علامہ مرحوم کے قید و بند کے دن اگر گن لئے جائیں تو معلوم ہو گا کہ اوسطاً ان کی زندگی کا ہر چوتھا دن جیل کی آہنی سلاخوں کی نذر ہو چکا ہے۔ علامہ چونکہ متحدہ ہندوستان کو آزاد دیکھنا چاہتے تھے۔ اس لئے بھی پاکستان حاصل کرنے والی تمام جماعتیں مل کر خاکسار تحریک کو مٹانے کے درپے ہوئے۔ تقسیم ہند کے نتیجے میں لاہور کے باشندہ ہونے کی وجہ سے علامہ پاکستان کے حصہ میں آ گئے۔ حقیقت پسندی کا ثبوت دیتے ہوئے انہوں نے پاکستان کے وجود میں آنے کے تاریخی واقع کو قبول کیا۔ اور پاکستان کی بہتری اور استحکام کی جانب توجہ کی۔ چونکہ تقسیم سے بہت پہلے انہوں نے خاکسار تحریک کو منتشر کیا تھا اس لئے پاکستان میں انہوں نے "اسلام لیگ" کی بنیاد ڈالی اور نظام خلافت کے قیام کی کوششیں شروع کیں۔ وہاں کے صاحبان اقتدار نے علامہ مرحوم کی تحریک کو

ختم کرنے کے وہ تمام حربے استعمال میں لائے جو انہوں نے انگریزی سامراج سے سیکھ لئے تھے۔ علامہ مرحوم کو کئی فرضی سیاسی قتلوں میں بے بنیاد طور پر ملوث کر کے اذیتیں پہنچائی گئیں۔ ان کی تقریر اور تحریر پر پہرے بٹھا دئے گئے۔ خداوندانِ پاکستان نے علامہ کو جیل کی کال کوٹھری میں زہر دیکر ختم کرنے کی کوششوں تک سے بھی گریز نہ کیا۔ بہر حال علامہ مرحوم اور ان کی تحریک سے روا رکھے گئے ظلم اور جبر کی داستان بہت طویل ہے۔ یہاں اس داستان کو درج کرنا مطلوب نہیں۔ کیونکہ حق اور طاغوت کی محاذ آرائی ازل سے ابد تک قائم رہے گی۔ اور حق کے پرستاروں پر ظلم اور جبر ہوتے رہیں گے۔ اگرچہ آج علامہ مرحوم جسمانی طور ہم میں موجود نہیں مگر وہ اپنی بیبہا تصنیفات کی صورت میں آج بھی زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے۔ آج بھی اگر بنی نوع انسان عموماً اور ملت اسلامیہ خصوصاً علامہ مرحوم کی تصنیفات سے استفادہ کرنے کی سعی کرے تو وحدت الامت کا تصور معرض وجود میں آنے کی راہیں وا ہو سکتی ہیں۔ علامہ نے اپنی تصانیف میں قرآن حکیم کی روشنی میں حکیمانہ دلائل اور فطری استدلال سے ثابت کیا ہے کہ اسلام ایک آفاقی نظریۂ حیات ہے اور بلا امتیاز رنگ و نسل قوم اور زبان امیر اور غریب ہر ایک بنی نوع انسان کے لئے پیغام امن اور سامان فلاح و بہبود ہے۔ ان کا موقف ہے کہ غلبۂ اسلام کسی خاص فرقے یا امت کی عقیدت

جارحیت کے لئے نہیں بلکہ اتحادِ عالم کے لئے ضروری ہے۔ اسی عنوان کے تحت وہ فرماتے ہیں کہ

غلبۂ اسلام واتحادِ عالم

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ (۱۳۶:۲ ، ۸۴:۳)

ہم انبیاء میں سے کسی ایک کے مابین فرق نہیں کرتے (سب کو ایک پیغام کے لانے والا سمجھتے ہیں) اور ہم تو درحقیقت خدا ہی کو حاکمِ اعلیٰ ماننے والے ہیں)

اُس تقاضی حالات کے پیشِ نظر دراصل ایک ایسی مقتدر جماعت کی تنظیم و تشکیل تھی جو مال و جان کی تہذیبِ نفس اور مظاہر اخلاق قربانیوں سے دنیا کی تمام امتوں پر غالب آکر انسان کی دنیوی فلاح اور اجتماعی نجات کا باعث ہو، وہ مسلمانوں کی جماعت کو عبادات خدا کے حوصلہ انگیز عمل، تقوای کی وحدت افزا خلش، اور ایمان کے غلبہ اندوز عزم کے ذریعہ سے ہر معاندہ گروہ سے عہدہ برآ کر کے اس کے عالم آرا اتحاد، اور ناقابل شکست اخوت کی ہیبت دلوں میں بٹھا رہا تھا! وہ جہاد فی سبیل اللہ کو حفظ جماعت اور دفاع نفس کا اسلحہ وحید اور فلاح عاقبت کا قطعی اور فوری وسیلہ قرار دے کر ہر متنفس کے دل میں مقابلہ کی ناقابل شکست روح، اور فیروزمندی کی شدید تڑپ پیدا کرنا چاہتا تھا۔ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ (۱۱:۶۱)

وہ اسلام کی عالم آرا صداقت، توحید کی ناقابل انکار حقیقت، اور انسان کے مخلصانہ اعمال کے استیلائے اثر سے پہنائے جہاں کے اندر اسکی ہیئت اجتماعی میں روز افزوں تقدم اور ارتقائی تقویت دیکھنا چاہتا تھا نہیں وہ سب نسلی اور تمدنی اختلافات، اور سب ملکی اور اعتقادی تفرقات کو خدائے مشترک کی مشترک طاعت (عبادت)، اور ایک قانون اور ایک حاکم کی عملی اطاعت کے بالمقابل نسیاً منسیاً کر کے، انسان کی مختلف العقائد، متخالف الآرا، اور منتشر الاغراض جماعتوں میں بنی نوع آدم کی طبعی یک رنگی، اور کارگاہِ فطرت کی جنسی یک وضعی از سر نو قائم کرنا چاہتا تھا وہ الغرض حیات کی اس المناک کشمکش میں خدا پرستاروں کی یک عمل اور با عمل، یک خدا اور با خدا، یک قانون اور تابع قانون جماعت کو حصول قوت کے محکم اصول، حفظ نفس کے لازوال طریقے، اور دنیوی ترقی کے مستحکم ضوابط سکھا دینا چاہتا تھا!

قُلْ يٰٓاَھْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاۗءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـــًٔـا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ (۳: ۶۴)

اے پیغمبر ان سے کہہ دو کہ اے اہل کتاب! آؤ ہم سب ایک ایسی حقیقت پر متفق ہو جائیں جس کا ہمارے اور تمہارے درمیان کم از کم زبانی طور پر یکساں

اقرار ہے اور جس پر فی الواقع عمل کرنے میں نہ تمہیں کوئی عذر ہو سکتا ہے نہ ہمیں اور وہ یہ ہے کہ ہم ما سوا خدا کے کسی غیر کے ملازم نہ بنیں گے، اور نہ کسی شے کو اطاعت گذاری میں اس کے ہم مرتبت کریں گے، اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا آقا نہ سمجھے گا۔ پھر اگر اس سچی اور مطلق العمل بات کے ماننے سے بھی منہ موڑلیں تو ان سے کہہ دو کہ اب گواہی دو کہ ہم ہی حقیقت میں خدا کو خدا مانتے ہیں نہ تم۔ کہ صرف منہ سے اقرار کرتے ہو لیکن اس کے احکام پر عمل نہیں کرتے۔

قُولُوٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ۝ (۲: ۱۳۶-۱۳۸)

اے ایمان والو! تم تمام عالم کی امتوں سے مصالحانہ طور پر کہہ دو کہ ہم تو اللہ کو اپنا خدا مان چکے ہیں اور ہم قرآن کو اس کا قانون تسلیم کر کے اس پر عمل کرتے ہیں اور ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ جو کچھ ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اولاد یعقوب پر اترا، اور جو کچھ بھی موسٰی اور عیسٰی کو دیا گیا، اور جو کچھ دنیا کے

اور تمام پیغمبروں کو اپنے پروردگار سے ملا، سب اسی ایک خدا کی طرف تھا، ہم ان میں سے کسی ایک میں بھی اس معاملے میں کوئی مابہ الامتیاز تسلیم نہیں کرتے۔ اور ہم تو بہر نوع اسی خدائے واحد کے فرمانبردار ہیں۔ تو اگر اسی طرح جس طرح تم نے اپنے آپ کو اطاعت احکام خدا کے لئے وقف کر دیا ہے یہ بھی اپنے آپ کو سپرد کر دیں تو بس راہ راست پر آگئے اور تمہاری ان سے کوئی وجہ پرخاش نہیں۔ لیکن اگر یہ روگردانی کریں تو سمجھ لو کہ تمہاری ضد پر ہیں۔ پھر اس حالت میں خدا تمکو ان کے شر سے اپنے حفظ و امان میں رکھے گا اور وہی حقیقت میں حالات کا بڑا سمجھنے والا اور بڑا جاننے والا ہے۔ ان سے کہہ دو کہ جس مصالحانہ اور اتحادی رنگ میں ہم رنگے ہوتے ہیں یہی اللہ کا رنگ ہے۔ اور اللہ کے رنگ سے بہتر رنگ کس کا ہوگا، اور ہم تو اسی کی خدمت کرنے والے ہیں

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○ (۳:۸۴)

اے محمد! ان یہود و نصاریٰ سے صلح صفائی سے کہہ دو کہ ہم تو اللہ پر ایمان لائے ہیں، اور اس کتاب پر جو ہم کو دی گئی۔ اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جو کچھ ابراہیم اور اسمٰعیل اور یعقوب پر اتارا گیا تھا، اور جو کچھ بھی موسیٰ اور عیسیٰ

اور دنیا کے تمام پیغمبروں کو اُن کے پروردگار کی طرف سے یاد کیا گیا تھا، اسی خدا کی طرف سے تھا۔ ہم ان میں سے کسی ایک میں بھی کوئی فرق تسلیم نہیں کرتے۔ اور ہم تو ہمہ تن اسی خدا کے فرماں بردار غلام ہیں۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً قف فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ج فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ٥ (۲:۲۱۳)

انسان تو حقیقت میں ایک ہی امت ہیں کیونکہ ایک ہی نوع کی مخلوق ہیں اور اسی وحدت کو ملحوظ نظر رکھ کر خدا نے ان کی طرف مشیت الٰہی سے باخبر انسان (نبی) بھیجے جو انہیں اجتماعی بقا کی بشارت دیتے اور اجتماعی ہلاکت سے متنبہ کرتے رہے۔ اور خدا نے ان سب کے ساتھ بنی نوع انسان کے لئے (مختلف زبانوں میں) ایک دستور العمل بھیجا تھا جو کتاب کی صورت میں تھا اور مبنی بر حق تھا تاکہ وہ کتاب ان کے اعمال کی رہنمائی کرے۔ اور اگر کسی امر میں ان میں اختلاف پیدا ہو تو اس کا قطعی فیصلہ کر دیا کرے۔ لیکن جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی وہی لوگ اپنے پاس کھلے کھلے اور واضح احکام آئے پیچھے اس کے مقاصد میں اسکے معانی اور مطالب میں بعید اختلاف

محض آپس میں ضد کے باعث کرنے لگے اور فرقے بن گئے پھر آخر کار وہ راہِ حق جس کے متعلق لوگوں میں اس قدر اختلاف پیدا ہو گیا تھا اللہ نے اپنے حکم سے ان ایمان والوں کو دکھا دی اور اللہ تو اسی کو راہِ راست دکھاتا ہے جس کو مناسب سمجھتا ہے۔

وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝ (۱۰: ۱۹)

اور انسان تو فی الحقیقت ایک ہی امت ہیں لیکن انہوں نے خدا اور کتابِ خدا کے متعلق باہمی ضد اور ہٹ دھرمی سے اختلاف پیدا کر لیا۔ اور اے پیغمبر! اگر تیرے پروردگار نے ان کو ایک معین مدت تک دنیا میں رکھنے کی پہلے سے ہی ٹھان لی ہوتی تو جن باتوں میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں اب تک کبھی کا ان کو صفحۂ ہستی سے معدوم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہوتا۔

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۗ وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۗ وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ أَأَسْلَمْتُمْ ۚ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۖ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ۝ (۳: ۱۸-۱۹)

خدا کے نزدیک انسان کا سچا دستور العمل یہی اپنے آپکو خدا کے ہمہ تن مطیع کر دینا ہے۔ اور اہل کتاب اگر اسلام، کے اس جامع الناس مقصد کو غلط سمجھ کر آپس میں ایک دوسرے سے مختلف ہو گئے تو اس علم کے آگے پیچھے جو ان کو نبیوں کی وساطت سے منشائے خدا کے متعلق ملا تھا۔ اور زیادہ تر اس اختلاف کی وجہ آپس میں ضد ہی تھی۔ لیکن جو شخص خدا کے صریح احکام کو پس پشت ڈالتے ہیں ان سے وہ بہت جلد حساب لے لیتا ہے۔ پس اے پیغمبر! اگر مشیت خدا کی اس کامل تشریح کے بعد بھی یہ لوگ تم سے کٹ حجتی کریں (اور اپنی بزدلی کم ہمتی اور ہٹ کے باعث اپنے آپ کو خدا کے سپرد کرنے سے گریز کریں) تو ان سے کہہ دو کہ میں تو خدا کے آگے اپنا سر تسلیم خم کر چکا اور جو لوگ میرے پیرو ہیں وہ بھی اپنے آپ کو اللہ کے غلام بنا چکے پھر ان اہل کتاب اور عرب جاہلوں کو کہو کہ کیا تم اس بات کے لیے تیار ہو۔ پھر اگر ہاں کریں تو بیشک راہ راست پر آ گئے اور اگر منہ موڑیں تو اے پیغمبر! تم پر حکم خدا کا پہونچا دینا فرض ہے اور بس۔ اور اللہ بندوں کے اعمال کو بغور تمام دیکھ رہا ہے۔

وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَاءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ ؕ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (۹۳:۱۶)

اگر اللہ اپنی مرضی کے مطابق کرتا تو تم کو ایک امت بنا کر رکھتا اور تم میں کبھی کسی اہم امر کے متعلق اختلاف نہ پیدا ہوتا۔ لیکن جس کو گمراہی کا اہل سمجھتا ہے

گمراہ کر دیتا ہے اور جس کو در خور ہدایت دیکھتا ہے ہدایت دے دیتا ہے لیکن لوگو! یاد رکھو کہ یہ سب تفرقہ جو تم بذات خود آپس میں پیدا کرتے ہو اس کی باز پرس تم سے ضرور ہونی ہے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِىْ مَآ اٰتٰكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ (۵ : ۴۸)

اور اے ساکنانِ زمین! اگر خدا اپنی مرضی کرتا (لَوْ شَآءَ اللّٰهُ)، اگر وہ اپنے حسب پسند کام کرتا (لَوْ شَآءَ اللّٰهُ) تو ضرور تم انسانوں کو ایک ہی امت بنا دیتا تم سب کے سب متحد الخیال اور متفق الاعمال ہو جاتے اور تم میں کسی امر کے متعلق کوئی کشمکش پیدا ہی نہ ہوتی، لیکن یہ صورت اختلاف جو اب تمہاری اپنی خود رائی، خدا سے برگشتگی اور ضلال کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اس لئے ہے کہ وہ خدائے عالمیان تم سب مختلف شدہ امتوں کا امتحان ان اہلیتوں کے بارے میں لے جو اس نے تم کو دی ہیں (لِيَبْلُوَكُمْ فِىْ مَآ اٰتٰكُمْ) تو اے انسانی امتو! تم بھی اس آزمائش میں پورے اترنے اور اس کی کشاکش عظیم میں فتح پانے کے لئے خداوند عالم کے بہترین اجتماعی انعاموں کی طرف مسابقت کرو (فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ)، جانے رہو کہ تم سب نے خدا کی طرف لوٹنا، اور اس کے حضور میں اپنے سعی و عمل کی جوابدہی کرنی ہے پھر

اُس دِن وہ انسانوں کا خالق خدا تم کو اس حقیقتِ حال سے آگاہ کر دیگا جس کے بارے میں تم آپس میں اختلاف پیدا کرتے تھے۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۙ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۞ (۱۱: ۱۱۸-۱۱۹)

اور اے پیغمبر! اگر تیرا پروردگار اپنے منشا کے مطابق کرتا تو تمام لوگوں کو ایک امت بنا دیتا۔ لیکن یہ لوگوں کی شقاوت ہے کہ وہ ہمیشہ آپس میں اختلاف قائم کرتے رہتے ہیں۔ اور متحد اور متفق العمل ہو کر تو وہی رہتے ہیں جن پر تمہارا پروردگار رحم کرے۔ فی الحقیقت خدا نے انسانوں کو پیدا بھی اسی لئے کیا تھا کہ ایک امت بن کر رہیں، لیکن اگر یہ اختلاف نہ مٹا تو فرمودۂ خدا پورا ہو کر رہے گا کہ ہم کیا جن اور کیا انسان سب سے دوزخ کو ضرور بھر دیں گے اور نافرمانی احکام کا انتقام لے کر رہیں گے۔

اسلام کا نمکن دراصل وحدتِ انسان کا پیغام ہے

اسلام میں تعصب قطعاً حرام ہے بلکہ دینِ فطرت کی نفی ہے۔

اسلام کا پیش کردہ توحید دراصل بقائے باہم اور امن و اماں کا تصور ہے۔ انسان تو انسان رہا اسلام کی توحید میں ہر پرند و چرند کے لئے آزادانہ زندگی کے سامان موجود ہیں۔ علامہ مرحوم اس عنوان

کے تحت فرماتے ہیں۔

تمکنِ اسلام و نقشِ توحید

كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ (۴ : ۱۳۴)

(خدائے وجود کی گواہی دیتے ہوئے اعتدال پر قائم رہو)

آہ! یہ وہ ماحیِ اختلاف، متحد الاعمال اور جامع الناس اسلام تھا جس کا اماجگاہِ سعی روئے زمین پر ایک اُمت کا قیام تھا۔ فطرت کی اساسی وحدت اور اتحاد، اور اولادِ آدم کے طبعی اور نوعی ائتلاف کی طرف یہ وہ آخری بازگشت تھی جس کا اولین پیش نہاد ساکنانِ عالم کو پابندِ خدا، اور بریدہ ماسوائے کر کے ایک کر دینا تھا! دینِ اسلام کی صلائے عام (۳ : ۱۹) (۳ : ۸۳) (۲ : ۱۳۹) انسان کی اعتقادی اور نسلی، ملکی اور تمدنی تفریق و تحزیب کے برخلاف وہ عربدہ جو صدا، اور آمادۂ پیکار آواز تھی جس سے عہدہ برآ ہونے کی شرط وحید توحید کا عملی اقرار، اور بندگیِ خدا کا عملی اعتراف تھا: وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۳ : ۸۴﴾ فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿۴۰ : ۱۴﴾ بین المللی مصالحت اور جنسی اتحادِ عمل کی یہی وہ طبعی اور قابلِ تسلیم بنا، اور یہی وہ مشترک اساس تھی جس پر خلقِ خدا کے اجماع و ائتلاف کا امکان ہو سکتا تھا۔ اس اَللّٰہُ اَحَد کی

عملی اور نتیجہ خیز للکار ہیں ہی وہ آسمان شگاف طاقت، اور وہ انجذابی اثر پنہاں تھا جو ہر مقامی نصب العین، اور ہر نسلی مطمح نظر کو نالائق التفات کر دیتا تھا - اسی حقیقت کی عالم آرا عظمت، اور بہ تشتم بالشان نافعیت کے باعث مومن کا ایمان ایثار کا لازوال مصدر، اضطرار عمل کا عظیم الشان پیکر، اور ہجوم قوت کا بے خوف وخطر مسکن بن گیا تھا - لیکن یہ توحید ہی وہ مسکن قلب اور مزکی نفس دوا تھی جو غلبے کے مستکم اثر کے باوجود قدم قدم پر بہیمی جذبات کو مشتعل ہونے سے روکتی تھی، جو بڑے سے بڑے دشمن کے بالمقابل رفق و مسالحت، حسن معاملت اور اخلاق کے ملکوتی صفات کو ہر مومن کے قلب میں موجزن کیئے رکھتی تھی، جو احتساب نفس کی پیہم قطع و برید کے باعث اس کے ادنیٰ سے ادنیٰ عمل کو بھی حد اعتدال سے گذرنے نہ دیتی تھی، جو حق خدا کی ہر دم محافظ، اور حقوق عباد کی ہر آن نگراں تھی، جس نے حسن اخلاق کی ربانی فضیلتیں، اور خوف خدا کی قدوسی بزرگیاں ہر متنفس کے اعمال میں جاری و ساری کر دی تھیں، جس کے صحیح تفقش نے مومنوں کے زندہ قلوب میں باہمی محبت کا حس، اور یک رنگی کی لہر دوڑا دی تھی، جس کے مصلح اعمال اثر نے مسلمان کی زندگی کو ہر انسان کے لئے قابل تقلید نمونہ بنا دیا تھا - اسی توحید کے نفع مند اور نتیجہ خیز یقین نے، مسلمانوں کے روزانہ معاملات میں بلا تفریق قوم، اور بلا امتیاز

مذہب راستی اور صلاحیت پیدا کر دی تھی بَلٰی مَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ وَاتَّقٰی فَاِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ۝ (۳: ۷۵) میدانوں میں لڑنے والے یہ شمشیر شرربار، اور پہاڑوں سے ہاتھا پائی کرنے والے یہ جانباز بطل، اسلام کی تنبیہی صدا اور اللہ کے امر و نہی کے آگے یوں جھک گئے تھے کہ ان کے اعمال کو دیکھ کر بعض اوقات ان کی بشریت پر گمان گذرتا تھا! وہ سلاطین عالم پر تحکم کی نظر رکھتے تھے، مگر استکبار و تعلّی کا ان میں نام نہ تھا وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۝ (۱۷: ۳۷)۔ وہ آسمان کی زمینوں پر تمکن کے چشم براہ تھے، مگر اللہ کی اس زمین پر دھیمے چلتے تھے اور عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَھُمُ الْجٰھِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝ (۲۵: ۶۳) مغرور و متکبر شہنشاہوں کے تاج آئے دن ان کے قدموں پر نچھاور ہوتے تھے، مگر ان کے انکسار طبع، ان کی لینت دل، ان کی ملامت سلوک، ان کی نیچی نظروں میں فرق نہ آتا تھا، فرمانروائی کی امنگیں، اور جہانبانی کے ولولے ان کے دلوں میں موجزن تھے مگر طبائع میں وہی سادہ پن اور خاکساری، وہی اطاعت کیشی اور اللہ کا شغف، وہی فکر انجام قوم اور ناموس اسلام کا پاس گھر کر گیا تھا۔ ان کی زندگیاں فطرت کے اعتدال کی صحیح تصویریں، اور ان کے دل خشیت خدا کے مستقل نشیمن

بن گئے تھے قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ قف (۷ : ۲۹) ؛ اُن کا ہر عمل اور ہر شغل رب لم یزل کے وجود کی صریح شہادت، اور اسلام کے دین اللہ ہونے کا زندہ ثبوت تھا۔ توحید کی یہ روح عمل لاریب اُس مصدر حقیقت، اُس سید البشرؐ اُس ہادی اسلامؐ علیہ التحیۃ والسلام، کی حیرت انگیز تعلیم اور مقلب القلوب صحبت کا نتیجہ تھی جس نے غار حرا کی انجمن آرا خلوتوں سے نکل کر، ریگ زار عرب کے ان بادیہ پیما بدوؤں کے سامنے خدائے بیمثال کی ذات اس قدر متشخص کر دی تھی!

شرح خدا کہ عابد و زاہد بحس نگفت

در حیرتم کہ دُرد کشاں از کجا شنید

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ ج (۴ : ۱۳۵)

اے ایمان والو! علی الاعلان خدا کے وجود کی گواہی دیتے ہوئے اعتدال اور میانہ روی پر قائم رہو، خواہ یہ اعتدال تمہیں اپنے پر یا والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ کرنا ہو!

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ٘ وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (۵ : ۸)

اے ایمان والو! انصاف کے شاہد بن کر خدا کی حمایت میں جم کر کھڑے ہو جاؤ اور کسی قوم کی عداوت بھی تم کو بے انصافی کے ارتکاب کی باعث نہ ہو۔ نہیں! بہر حال انصاف کرو یہی تقویٰ ہے، اور خوف خدا سے قریب تر ہے۔ اور اللہ سے ہر دم ڈرتے رہو، وہ جو کچھ تم کر رہے ہو اچھی طرح جانتا ہے

علامہ مرحوم نے حکمت عبادات کے بارے میں قرآن کی علیم فطرت کی روشنی میں فرمایا ہے

حکمتِ عبادات

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ (۲۲:۶۷)

ہر امت کے لئے ہم ہی نے ایک نشانِ بندگی مقرر کیا ہے جسکو وہ شعلہ بنائے ہوتے ہیں تو چاہئے کہ لوگ قانونِ خدا کے بارے میں تم سے نزاع نہ پیدا کریں۔

اس روحانیت، اور علو اخلاق میں وہ آسمانی طاقت، اور زبردست تبلیغی اثر پنہاں تھا جو اسلام کی تقویت اور اشاعت کا بہترین سامان تھا۔ بڑے بڑے دشمنانِ دین اور جبابرہ کفر مومنوں کے ان اعمال کو دیکھ کر خود بخود خدا کے از خود قائل ہو جاتے۔ اور دینِ الٰہی کے بہترین حامی اور مددگار بنتے اسلام کا زور اثر قرونِ اولیٰ کے ابتدائی ایام میں ایک بہت بڑی حد تک اسی

خاموش طریق عمل، شہادتِ خدا، اور تقوای پر تھا، مومنوں کا صلاحِ عمل، ان کی ربانیت، ان کا سچا زہد و تورع خود بخود دلوں میں گھر کر جاتا اور وہ آپ نمونۂ اخلاق بن کر عوام کے لئے ایک مستقل اور غیر متزلزل ہدایت کا باعث بنتے۔ خود رسول کریمؐ کی پاکیزہ زندگی کا مقصود بالذات خلقِ خدا کے سامنے انسانی حیات کی ایک لائقِ رشک اور قابلِ تقلید مثال قائم کرنا تھا۔ قرآن کریم کی اصلی غرض و غایت فی الحقیقت بنی نوعِ انسان کی درستیٔ اخلاق اور صلاحِ اعمال ہی تھی۔ اِنۡ اُرِيۡدُ اِلَّا الۡاِ صۡلَاحَ مَا اسۡتَطَعۡتُ ؕ وَمَا تَوۡفِيۡقِىۡۤ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ وَاِلَيۡهِ اُنِيۡبُ ‏(۱۱:۸۸)

اسلام اور سب باتوں سے قطع نظر "امر بالمعروف" کا سراپا مجسمہ، اور "نہی عن المنکر" کا مکمل ضابطہ ہی تھا۔ مگر اور سب مذاہب کی غیر مانند، اس کی حیثیت خالصۃً داعیانہ تھی اس کی نسبت بزرگ تر تھی؛ وہ ختمِ رسالت کی تمامیت اور پیامِ آخر کی قطعیت کا حکم رکھتا تھا؛ اس میں پیغامِ خدا کی انانیت، اور انتخابِ ربُّ العرش کی رعونت تھی! اِنَّ الدِّيۡنَ عِنۡدَ اللّٰهِ الۡاِسۡلَامُ اس میں تقویتِ نفس کا ہیجان، اور اجماعِ خلق کا اضطرار تھا! دعوتِ جہاں اس کا مایۂ خمیرہ اور کل کائنات اس کی منتظرالیہ تھی۔

قُلۡ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ جَمِيۡعَا ۨ الَّذِىۡ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ‌ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهِ النَّبِىِّ الۡاُمِّىِّ

الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَکَلِمٰتِہٖ وَاتَّبِعُوْہُ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ ۵ (۷ : ۱۵۸)

اے محمدؐ! تمام عالم کے لوگوں سے کہدو کہ اے لوگو! میں تم سب کیطرف اُس خدائے عظیم کا قاصد ہوں جس کی سلطنت تمام آسمانوں اور زمین پر حاوی ہے۔ اُس کے سوا کوئی شیے لائق عبادت نہیں۔ وہی زندہ کر دیتا ہے وہی مار تا ہے تو آؤ! اس پاک ذات کو اپنا مالک یقین کرو اور اس کے بھیجے ہوئے اُمی نبیؐ کو جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے، اور اسکے احکام بجالاتا ہے! اپنا رہنما تسلیم کرو اور اسی کی پیروی کرو تاکہ تم راہ راست پر آجاؤ (گویا ایک آقا کو مان کر سب کے سب متحد ہو جاؤ

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ

اور اے محمدؐ! ہم نے تو تمکو تمام دنیا کے لوگوں کی طرف قاصد بنا کر بھیجا ہے تاکہ تم ہمارے قانون پر چلنے والوں کو اجتماعی بہبودی کی خوش آیند خبر، اور ہمارے منکروں کو دائمی عذاب کا پیغام پہنچا دو۔ لیکن اکثر لوگ ابھی تک اس واقع الامر سے مطلع نہیں ہوئے کہ تمہارا پیغام تمام عالم کے نام ہے۔

ہر متنفس قوم، اور مجتمع انسانی کے پیش پیش رہنا اسکی حیات کی علامت تھی! اسکے صلائے عام میں سیماب کی جاذبی تڑپ اور قبلہ نما کا مقناطیسی اضطراب تھا! حصول قوت اس کا نشان سیما، اور غلبہ عام اسکا طرۂ امتیاز تھا! وہ عامتہ الناس کو اپنی حقیقت اور سادگی تعلیم سے، اپنے روز افزوں

اثرادر جماعتی اقتدار سے، اپنی انقلاب انگیز تجویز اور بے مثال ہدایت سے مومن کے زورِ اخلاق اور روحِ عمل سے خدائے واحد کی عملی عبادت اور غلامی کی طرف کھینچکر جامعیت اور وحدت پیدا کرنا چاہتا تھا اسی حیثیت کی بناپر اسکے اوامر و نواہی کا ہر شعبۂ عمل جلبِ اقتدار توسیعِ اثر، اخوت اور مساوات کا بطورِ خود متواتر جہاد تھا۔ اخلاق کی درستی میں بلا شبہ ایک سطحی نقطۂ نظر سے، تنفس کی ذاتی ہدایت، یا انفرادی نجات ہی پیش نظر تھی صلوٰۃ اور زکوٰۃ کے انفرادی افعال بظاہر ایک مسلمان کے اپنے خدا سے تعلق قائم کرنیکے انفرادی ذرایع ہی تھے، صوم کا فریضہ بادی النظر میں کسی ایماندار کا شخصی ایثار یا اس کے نفسِ امارہ کا شخصی اجتہادی تھا، طواف بیت الحرام بھی ظاہرا مسلمانوں کے درمیان خدا سے اظہارِ ارادت کا ایک مرتسم شیوہ ہی تھا، قرآن حکیم کے اور اوامر و نواحی بھی سطحی نظروں میں تدین اور نکوکاری کی یہی انفرادی شان لئے ہوئے تھے، اگر سرنوشت آمدن کے اس خوشنویس اجل نے ان تمام احکام کی تہ میں غلبۂ اسلام کی وہ نستعلیقی حکمت عملی ملحوظ نظر رکھی تھی جو صدہا برس تک مسلمانوں کو اور امتوں کے بالمقابل مابہ الامتیاز مقام دیتی رہی! ان احکام کی اجتماعیت، ان کی مرکزیت، ان کی پابندیٔ وقت اور یک رنگی میں فطرت کی صلائے اتحاد کی تکرار، انسان کی نوعی وحدت کا اظہار، ضبطِ نفس کی تعلیم، مساوات کا حوصلہ افزا اثر، اور عصبیت کی روح تھی۔ انکے انتشار و تعطل میں، ان کے تعود اور تسلسل میں حکومتِ خدا کا متواتر سماں اور اتقائے قلوب کا باہم ضبط باندھ دیا تھا، وہ تقویتِ اسلام کے بہترین

گوشوارہ تصحیح

صفحہ نمبر	سطر	غلط	صحیح
۳	۱۶/۱۵	اقتصادی نطام نطام ہے	اقتصادی نظام ہے
۴	۱	کانیات	کائنات
۸	۸	کانیات	کائنات
۱۰	۱	انکشات	انکشافات
۱۰	۹	کائیات	کائنات
۱۲	۳	کانیات	کائنات
۱۳	۱۲	مذہب کو .... اور	مذہب کو فطری اصولوں اور
۱۳	۱۳	مجھول	مجہول
۱۵	۱۲	اسم مشق	اسم مشتق
۱۶	۱۰	شان والیت	شان و الوہیت
۱۷	۶	کانیات	کائنات
۱۷	۱۱	تک بھی	تک بھی کہیں
۱۸	۱۵	انگریز	انگیز
۶۰	۲	جرثقیل	جرِ ثقیل
۶۲	۱۲	تمال و کمال	تمام و کمال
۷۱	۸	قرنوں	قرنوں
۷۲	۴	کانیات	کائنات
۷۳/۷۲	۱/۱۷	ان دو مقالات کا مطالعہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے تاکہ علامہ مرحوم کے علمی تجربہ کا بخوبی اندازہ ہوسکے	اس ساری عبارت کو حذف کیا جائے

التعارف

حضرۃ علامہ عنایت اللہ خان المشرقی رحمہ اللہ

ایم اے (پنجاب ۱۹۰۶ء) ایم اے کیمبرج، بی ایس سی، بی ای، بی او ایل، ایف آر ایس اے (۱۹۲۳ء) ایف
ایس اے، ایف جی ایس (پیرس)، ایف ایچ آئی پی ایچ (بذریعہ دعوت)، آئی ای ایس (مستعفی ۱۹۳۰ء)، رینگلر فونڈیشن سکالر،
بیچلر سکالر (کرائسٹ کالج)، ایپار (اول درجے وغیرہ کے)، ٹرائی پوس، پنجاب اور کیمبرج یونیورسٹیوں کے ریکارڈ توڑنے
پرنسپل اسلامیہ کالج، سینٹرل ٹریننگ کالج؛ حکومت ہند محکمہ تعلیم کا اول انڈر سکرٹری (۱۹۲۱ء)؛ ممبر دہلی یونیورسٹی بورڈ؛ ایکٹ
ریاست کے وزیر اعظم کی پیشکش (۱۹۱۳ء)؛ سفارت کی پیشکش (۱۹۳۰ء) سر کے خطاب کی پیشکش (۱۹۲۱ء)؛ صدر تھیٹیکل
سوسائٹی، مصنف تذکرہ شہرۂ آفاق محققین کی رائے میں "قومی تعمیر کا انتہائی کامیاب قانون"؛ "الٰہی معاشرت کا بے خطا کشاف"
مذہبی تحریریات کے لق و دق صحرا میں ماحد نخلستان "یادگار شہ کار"، رائل سوسائٹی آف آرٹس (۱۹۲۵ء)، مندوبِ اعلیٰ موتمر خلافت
قاہرہ (۱۹۲۶ء)، بانی خاکسار تحریک (۱۹۳۰ء)؛ مندوب فلسطین عالمی کانفرنس صدر ورلڈ فیتھس کانفرنس (۱۹۳۶ء)
گولڈ میڈلسٹ ورلڈ سوسائٹی آف اسلام (پہلے حاصل کرنے والے صرف مصطفےٰ کمال پاشا صدر
جمہوریہ ترکیہ و رضا شاہ پہلوی صدر جمہوریہ ایران)۔ ممبر انٹرنیشنل کانگریس آف اورینٹلسٹس
(لائیڈن)، (۱۹۳۶ء)۔ بانی اسلام لیگ، مصنف حدیث القرآن (۱۹۵۱ء)، مصنف تکملہ تذکرہ